محمود، فاروق، فرزانہ
اور انسپکٹر جمشید
سیریز

ہمشکل سازش

اشتیاق احمد

تفریح بھی ، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلکیشنز صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

ناول	**ہمشکل سازش**
نمبر	716
پبلشر	فاروق احمد
قیمت	29روپے

احادیث شریف

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چار خصلتیں جس شخص میں ہونگی، وہ پکا منافق ہوگا اور جس شخص کے اندر ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی تو اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ اس کو ترک کردے، وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔

1۔ جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے۔

2۔ جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔

3۔ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔

4۔ جب کسی سے اس کا جھگڑا ہو جائے تو گالی پر اتر آئے۔ [بخاری، مسلم]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہر نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا، میں سب انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا"۔

دو باتیں

اسلام علیکم

لیجئے جناب! اس بار **ہمشکل سازش** کے مہمان حاضر ہیں۔ آپ ان کی خوب آؤ بھگت کریں، خوب میزبانی کریں، اچھے میزبان بن کر دکھائیں، لیکن ذرا ہوشیار رہ کر میزبانی کریں، کہیں آپ بھی اپنے محبوب کرداروں کی طرح اس سازش کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ یوں تو سازش کی لپیٹ بھی کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔

اٹلانٹس پبلکیشنز کی طرف سے یہ تیسرا ناول ہے۔ نئے ناول کے ساتھ آپ کو پرانے ناول بھی پڑھنے کو مل رہے ہیں۔ گویا چپڑی اور کئی کئی، بلکہ یہ کہنا چاہئے، پانچوں گھی میں سر کڑاہی میں، کہنے کی کیا بات ہے وہ تو آپ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں، بس لوگ تو ہر وقت کچھ نہ کچھ کہنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہوتے ہیں، پر تولتے رہتے ہیں۔

بات کیا ہو رہی تھی نکل گئی کدھر، جیسے ان باتوں کے خلاف بھی کوئی جاسوسی چکر چل گیا ہو۔ پھر رہ کون جائے گا.... آپ ہی رہ جائیں گے گویا پھر آپ ہوں گے اور جاسوسی چکر ہوں گے، آپ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے.... جیسے یہ ان مہمانوں کو ہاتھوں ہاتھ لینے پر مجبور ہیں، آپ بھی کیا سادہ ہیں پتا ہے یہ سازش کے مہمان ہیں، پھر بھی پڑھنے پر تلے بیٹھے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمشکلوں کی سازش تک پہلے آپ پہنچتے ہیں، یا انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے، آپ اپنی کوشش شروع کریں، عقل کے گھوڑے تیزی سے دوڑائیں، ایسا نہ ہو انسپکٹر جمشید آپ سے آگے نکل جائیں اور مجرم تک ان کے ہاتھ پہنچ جائیں۔ اور آپ اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں اور کہہ اٹھیں، دھت تیرے کی، یہ تو کچھ بھی نہ ہوا ہم تو بس یونہی سر پٹک کر رہ گئے اور یہ لوگ مجرم تک پہنچ گئے، کیا کیا جائے، ان کا ٹھہرا روز کا کام.... آپ نے شاید پہلی بار سراغرسانی کی ٹھانی تھی، خیر کوئی بات نہیں، تجربات کرتے رہیں اور اگر کہیں آپ لوگ انسپکٹر جمشید وغیرہ سے پہلے مجرم تک پہنچ گئے تب یہ آپ کی شاندار کامیابی ہوگی، آپ کی اس کامیابی پر انسپکٹر جمشید کو بھی حیرت ہوگی اور وہ آپ کو شاباش دیتے نظر آئیں گے۔

اس اعتبار سے اس بار کی دو باتیں آپ کو سراغرسانی کی دعوت دے رہی ہیں مجرم تک انسپکٹر جمشید وغیرہ سے پہلے پہنچنے کی دعوت دے رہی ہیں۔ آپ خوش دلی سے یہ دعوت قبول کریں بلکہ اس دعوت میں اور لوگوں کو بھی شریک کریں، تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب آپ کے حصے میں آئے۔

ہاں تو پھر ہو جائیں دو دو ہاتھ .... اور درویش کی صدا کیا ہے۔

اشتیاق احمد

بازار لوہاراں، جھنگ صدر

مہمان رے مہمان

دروازے کی گھنٹی بجتے ہی تینوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

''کیا خیال ہے؟'' محمود نے سرسراتے انداز میں کہا۔

''دروازے پر کوئی دشمن ہے۔'' فرزانہ نے کہا۔

''نہیں دوست ہے۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

اب دونوں نے محمود کی طرف دیکھا، اس نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا تھا۔

''تم کیوں چپ ہو، اپنے خیال کو سُلا تو نہیں دیا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''میں دوسری گھنٹی کا انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''اور اگر اس نے دوسری گھنٹی نہ بجائی۔'' باورچی خانے سے بیگم جمشید کی جھلائی ہوئی آواز آئی۔

تینوں مسکرا دیے، اسی وقت دوسری بار گھنٹی بجی۔

''لیجیے! بج گئی گھنٹی۔'' فرزانہ کے لہجے میں طنز تھا۔

''میں بھی رائے دینے کے لیے پر تول چکا ہوں۔'' محمود مسکرایا۔

''حد ہوگئی، پر تک تول لیے۔'' فاروق نے جل کر کہا۔

''وہ بے چارہ باہر سوکھ رہا ہے۔'' بیگم جمشید کا لہجہ سخت ہوگیا۔

''میرا خیال ہے، باہر دوست نما دشمن موجود ہے۔'' آخر محمود نے اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ پھر اٹھا تاکہ دروازہ کھول دے۔

''دوست نما دشمن یا دشمن نما دوست۔'' فرزانہ نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے دشمن نما دوست، اور اب بس، ورنہ وہ تیسری۔''

محمود کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ گھنٹی واقعی تیسری بار بج اٹھی تھی۔ اس نے دو لمبے ڈگ بھرے اور دروازے پر پہنچ گیا۔ پھر دروازہ کھولے بغیر بولا:

''کون صاحب ہیں۔''

''فقو ادجلیبی۔''

''واہ! کتنا میٹھا نام ہے۔'' محمود نے چٹخارہ بھرا۔

''آپ غلط سمجھے، لیکن اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔'' باہر سے آواز آئی۔

''میں کیا غلط سمجھا، اور کس بات میں میرا قصور نہیں، جلدی بتائیے، تاکہ میں دروازہ کھول دوں۔''

''گویا آپ اس کے بغیر دروازہ نہیں کھولیں گے۔''

''خیر ایسی بھی بات نہیں، لیکن بہتر ہے، آپ بتا دیں۔''

''یہ لفظ جَلیبی نہیں، جِلیبی ہے، لام کے نیچے زیر لگا کر پڑھیں۔''

''اس میں تو دیر لگ جائے گی، لہٰذا میں اس کے بغیر ہی دروازہ کھول دیتا ہوں۔'' محمود نے گھبرا کر کہا۔

''کس میں دیر لگ جائے گی۔''

''زیر لگانے میں۔''

''حد ہوگئی۔ حد ہوگئی۔'' دو طرف سے آواز آئی۔ باہر سے اور باورچی خانے سے۔ دونوں ایک ساتھ بول پڑے تھے۔

''یہ تو لگتا ہے، واقعی حد ہوگئی ہے، اس لیے اب میں مجبور ہوں، دروازہ کھول رہا ہوں، اگرچہ ہم ابھی تک کچھ بھی، میرا مطلب ہے، خاک بھی اندازہ نہیں لگا سکے۔''

یہ کہ کر محمود نے دروازہ کھول دیا۔ باہر کھڑے شخص نے برا سامنہ بنایا۔

''میرا خیال ہے، آپ لوگ اچھے میزبان نہیں ہیں۔''

''ابھی تک آپ کے بارے میں، ہم یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ آپ مہمان ہیں۔''

''میں انسپکٹر جمشید کا دوست ہوں۔'' اس نے بھنا کر کہا۔

''اوہ! تب تو ہم معافی چاہتے ہیں، میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتا ہوں۔''

''یہ تو آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔'' اس نے جل بھن کر کہا۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا، گھوم کر ڈرائنگ روم میں آیا اور بیرونی دروازہ کھول دیا۔ مہمان کو اندر بٹھایا ہی تھا کہ فاروق اور فرزانہ بھی وہاں آگئے۔ بیرونی دروازہ بند کر دیا گیا۔

''پہلے تو ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔''

''اور بعد میں کیا چاہیں گے۔'' اس نے پوچھا۔

تینوں چکرا گئے۔ پھر فرزانہ نے کہا۔

"ابا جان نے کبھی آپ کا ذکر نہیں کیا۔"

"نہ جانے ان کے کتنے ایسے دوست ہیں جن کا انھوں نے آپ سے ذکر نہیں کیا ہوگا۔ کیا یہ بات درست نہیں؟"

"بالکل ٹھیک! اس میں شک نہیں۔"

"جب وہ آئیں گے تو میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔" فواد نے کہا۔

"جی بس وہ آنے ہی والے ہیں، آپ یہ بتائیں، کیا لینا پسند کریں گے۔"

"ابھی میرے کھانے کا وقت نہیں ہوا۔ رات نو بجے سے پہلے کھانا نہیں کھاتا۔"

"چائے تو پییں گے نا۔"

"نہیں! میں چائے اور بوتل وغیرہ سے پرہیز کرتا ہوں۔"

"کوئی ہلکی پھلکی چیز لے آتے ہیں۔"

"کیا کہا... پھلکی... ہاں! ان کا میں شوقین ہوں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"جی... کیا کہا، کس کے شوقین ہیں آپ؟" تینوں چونک اٹھے۔

"پھلکیوں کا... وہ نہیں ہوتیں.. جو بیسن سے بنتی ہیں اور املی کی چٹنی میں ڈبو دی جاتی ہیں۔"

"میں سمجھ گیا، لیکن یہ چیز تو تیار کرنا پڑے گی۔"

"میں تو نام سن کر چونکا تھا..."

عین اس لمحے دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ مسکرا دیے۔

"لیجیے! ابا جان آ گئے، میں دروازہ کھولتا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود اٹھ کھڑا ہوا اور بیرونی دروازے پر آیا۔ گھنٹی بجانے کا انداز اگرچہ ان کے والد کا ہی تھا، لیکن پھر بھی محمود نے پوچھا۔

"السلام علیکم ابا جان! کیا یہ آپ ہی ہیں۔"

"ہاں محمود دروازہ کھولو۔"

ان کی آواز سن کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ پھر وہ بہت زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

"کیا بات ہے بھئی۔" محمود کو اس بری طرح اچھلتے دیکھ کر انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"جی... وہ... وہ جی۔" وہ ہکلا کر رہ گیا۔

"ہاں کہو، کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"آپ... آپ ڈرائنگ روم میں چلیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"وہ تو ظاہر ہے، ڈرائنگ روم میں ہی جاؤں گا، میرے ساتھ مہمان جو ہیں۔"

"بالکل... بالکل۔" محمود گڑبڑا کر بولا۔

"تمہیں ہوا کیا؟"

"جی.. جی کچھ نہیں.... چلیں آپ۔"

"اوہو، پہلے دروازہ تو کھولو۔"

"وہ.... وہ پہلے ہی کھلا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے... وہاں ایک عدد مہمان پہلے سے موجود ہیں۔"

"جی بالکل۔" محمود فوراً بولا۔

"آیئے فواد جلیبی صاحب۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ایک بار پھر محمود بری طرح اچھلا۔ انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"کیا ہو گیا ہے۔" انھوں نے برا سا منہ بنایا۔

محمود نے کچھ نہ کہا، اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔ انسپکٹر جمشید اپنے ساتھ موجود مہمان کو لیے بیرونی دروازے سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

اس بار اچھلنے کی باری باقی سب کی تھی، اس لیے کہ محمود دو بار پہلے ہی اچھل چکا تھا۔

ایک اور

ادھر دونوں مہمان بھی اچھلے۔ انسپکٹر جمشید تک حیرت زدہ رہ گئے۔ دونوں مہمان بالکل ایک شکل صورت کے تھے، البتہ ان کا لباس مختلف تھا۔

"کیا مطلب؟" سب ایک ساتھ بولے۔

"مطلب کیا! بس ہو گیا شروع۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"کیا ہو گیا شروع، معموں میں باتیں نہ کرو، یہاں پہلے ہی معمے بکھرے پڑے ہیں۔"

"کہاں۔" فاروق بولا۔ پھر اس نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مہمان صاحبان، مہربانی فرما کر آپ خود ہی بتا دیں، آپ میں سے اصلی کون ہے، نقلی کون، ورنہ یہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں پاپڑ بیلنا پڑیں گے اور ہم اپنی زندگیوں میں پہلے ہی اتنے پاپڑ بیل چکے ہیں کہ کیا...." وہ کہتے کہتے رک گیا، کیونکہ انسپکٹر جمشید اسے گھور رہے تھے۔

"کک... کیا میں کچھ غلط کہہ گیا۔" فاروق گڑبڑا کر بولا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔"

"میرے ساتھ جو صاحب آئے ہیں، ان کا نام فواد جلیبی ہے، پہلے سے

یہاں جو صاحب بیٹھے ہیں۔ ان کا نام کیا ہے۔''

''فواد جلیبی۔'' محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''او ہو اچھا... پھر تو معاملہ دلچسپ ہے اور یہ ہمارے خلاف کوئی سازش ہے، کیوں نہ ہم اس دلچسپ سازش کے موقع پر اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی بلا لیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔'' فاروق کے منہ سے نکلا۔

''اچھی بات ہے۔''

پھر انھوں نے انہیں فون کیا۔ فارغ ہو کر ان کی طرف مڑے۔

''مجھے آپ میں سے ایک کی طرف سے بیرونِ ملک سے فون ملا تھا، یہ کہ میں چند دن کے لیے مہمان بننا چاہتا ہوں، کچھ ضروری کام ہیں، اب چونکہ فواد جلیبی نے اپنے ملک میں میری بہت مدد کی تھی، اس لیے میں نے فوراً کہہ دیا کہ ضرور تشریف لائیں۔ ان کا پھر فون ملا کہ یہ آج شام پہنچ رہے ہیں، یہ بات طے نہیں ہوئی تھی کہ یہ کہاں پہنچیں گے، گھر یا دفتر، یا پھر مجھے انھیں لینے کے لیے ایئر پورٹ پر جانا ہوگا، ایسی بات نہیں ہوئی، نہ انھوں نے فلائٹ کا نمبر اور وقت بتایا تھا کہ میں خود سے ایئر پورٹ پر پہنچ جاتا، بس انھوں نے کہا تھا کہ میں خود ہی پہنچ جاؤں گا.... سو یہ میرے دفتر پہنچ گئے اور میں انھیں یہاں لے آیا۔ مہربانی فرما کر اب آپ لوگ اپنے بارے میں بتائیں۔''

''میں آپ کا وہی دوست ہوں جس نے برٹائن میں آپ کی بہت مدد کی تھی اور آپ نے خود مجھے دعوت دی تھی کہ جب وطن آنا ہو تو میں آپ کے ہاں قیام کروں، آپ کو خوشی ہوگی۔''

''میں نے بالکل یہ بات کہی تھی۔''

''اور آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ یہاں کوئی بھی کام ہو، آپ مجھے فون کر دیا کریں۔'' دوسرا بول اٹھا۔

''اوہ ہاں! بالکل! میں نے یہ بات بھی کہی تھی۔'' انسپکٹر جمشید نے چونک کر کہا

''بس ہو گیا ثابت! ہمارے خلاف چکر شروع ہو چکا ہے۔'' فاروق نے گویا اعلان کیا۔

''چپ رہو، ابا جان بات کر رہے ہیں۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''جب میں اتنی بات بتا رہا ہوں تو پھر میں فواد جلیبی ہوں۔'' گھر والا بولا۔

''یوں میں اور بہت سی باتیں بتا سکتا ہوں مثلاً انسپکٹر صاحب! آپ کو برٹائن ہوٹل میں کسی نے زہر دینے کی کوشش کی تھی۔''

''کیا!!! وہ ایک ساتھ چلائے۔

اس بار سب سے زیادہ حیرت انسپکٹر جمشید کے چہرے پر نظر آئی۔ انھیں یہ دیکھ کر اور زیادہ حیرت ہوئی۔

''خیر تو ہے ابا جان!'' فرزانہ گھبرا گئی۔

''یہ... یہ بات حد درجے حیرت کی ہے، کیونکہ میں نے زہر والی بات کسی کو نہیں بتائی تھی۔'' انھوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''ہوا کیا تھا... یہ بات آپ نے کبھی ہمیں بھی نہیں بتائی۔'' محمود بولا۔

''میں اس ہوٹل کے کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا... ایک شام بیرا کھانا لایا اور میز پر رکھ کر چلا گیا۔ میں اس وقت دفتر کے کام میں مصروف تھا، یعنی جس کام کے سلسلے میں دفتر کی طرف سے برٹائن گیا تھا، اس میں مصروف تھا... فارغ ہو کر میں کھانے کے لیے اٹھا۔ اس وقت کمرے میں ایک بلی گھس آئی، بیرا جاتے ہوئے دروازہ

پوری طرح بند نہیں کر گیا تھا۔ بلّی نے میاؤں کی آواز نکال کر میری طرف دیکھا، میں سمجھ گیا کہ بھوکی ہے، لہٰذا چند بوٹیاں ایک پلیٹ میں رکھ کر فرش پر رکھ دی۔ وہ بری طرح ان پر جھپٹی اور آن کی آن میں چٹ کر گئی، لیکن پھر ساتھ ہی میں نے اس کے منہ سے چیخ نکلتے سنی، اس وقت میں ہاتھ دھو رہا تھا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا سختی سے پابند ہوں، اس لیے کہ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اگر میں اس سنت پر اس روز عمل نہ کرتا تو بلّی کے آگے بوٹیاں رکھنے کے ساتھ ہی خود بھی کھانا شروع کر دیتا... اور بلّی کے ساتھ میں بھی مارا جاتا۔

اب میں نے سوچا، ہوٹل والوں کو بلاؤں گا، پھر پولیس آئے گی، تفتیش شروع ہوگی، اس طرح میرا وقت بہت ضائع ہوگا... چنانچہ میں نے بلّی کو دم سے اٹھایا اور کھڑکی میں سے باہر رکھے کوڑے کے ڈرم کا نشانہ لے کر اس میں پھینک دیا، بلّی کوڑے کے اندر جا گری۔ اس طرح معاملے کا علم میرے علاوہ اور کسی کو نہ ہو سکا... لیکن جو لوگ مجھے زہر دینا چاہتے تھے، انھیں تو پتا تھا کہ میں بچ گیا ہوں۔ پھر میں نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا، ایک اور ہوٹل میں رہائش اختیار کر لی اور اس بات کا کسی سے ذکر تک نہ کیا۔"

"لیکن اس کھانے کو کوئی اور کھا سکتا تھا۔"

"کھانے کو بھی میں نے ایک شاپر میں بھر کر کوڑے میں گرا دیا تھا، برتن دھو دیے تھے۔"

"تب تو آپ ان محترم سے پوچھ سکتے ہیں، انھیں یہ بات کیسے معلوم ہوگئی۔" فرزانہ نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ہاں بالکل! آپ مجھ سے ضرور پوچھ سکتے ہیں۔" فواد حلیمی نمبر 1 نے فوراً کہا۔

"پوچھ لیں ابا جان۔" فاروق مسکرایا۔

"ہوٹل کی انتظامیہ کو کسی نے فون کیا تھا، یہ اطلاع دی تھی کہ فلاں نمبر کمرے کے مسافر کو زہر دینے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بات آپ جانتے ہیں، میں ہوٹل کی انتظامیہ میں شامل تھا، اس سلسلے میں میری وہاں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اوہ ہاں! تب تو ٹھیک ہے... اب بتائیں نمبر 2 فواد صاحب.. آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔"

"ہوٹل کی انتظامیہ میں یہ نہیں، میں شامل تھا، میں نے آپ کی مدد کی تھی۔"

"یہ تو ویسا ہی چکر شروع ہو گیا... پہلے بھی ہم اس قسم کے چکروں میں چکراتے رہے ہیں۔"

اس وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے فوراً ایک دوسرے کی طرف دیکھا، کیونکہ انداز پروفیسر داؤد یا خان رحمان کا نہیں تھا۔

"یہ کون صاحب آ گئے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"میں دیکھتا ہوں۔" یہ کہ کر محمود باہر کی طرف چلا گیا۔

دروازے پر پہنچ کر اس نے پوچھا۔

"کون صاحب ہیں۔"

"انسپکٹر صاحب کا دوست ہوں، ان کا مہمان ہوں۔"

"جی کیا مطلب؟" محمود بول اٹھا۔

"آپ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں۔"

باہر سے پوچھا گیا۔ محمود کو بہت حیرت ہوئی، کیونکہ آواز جانی

پہچانی سی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

پھر وہ بہت زور سے اچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئی، منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

پھر ایک

دروازے پر ایک اور فواد جلیبی موجود تھا:

''یہ.... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟'' محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''مم... میرا خیال ہے، آپ مجھے دیکھ رہے ہیں، میں فواد جلیبی ہوں، انسپکٹر جمشید صاحب کا دوست! میں نے انھیں اپنی آمد کے بارے میں بتایا تھا۔''

''جج... جی ہاں۔'' محمود نے سرد آہ بھری۔

''کیا کوئی گڑبڑ ہے، آپ پریشان نظر آرہے ہیں، آہ بھی بہت سرد بھری ہے، انسپکٹر صاحب خیریت سے تو ہیں نا۔''

''جی... جی ہاں... آیئے۔'' اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

پھر وہ اسے لیے جونہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا، سب کے سب بری طرح اچھلے، تیسرا فواد جلیبی بھی اچھلا اور پہلے دو بھی۔ سبھی کے چہروں پر حیرت تھی۔ ان تینوں کی شکل صورت میں واقعتاً کوئی فرق نہیں تھا، لباس ضرور مختلف رنگ اور طرز کے تھے۔

''آ... آ... آپ... ایک ہیں یا تین۔'' فاروق نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بلکہ آپ تین ہیں یا ایک۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"ان میں سے ایک اصل ہے اور دو نقل۔" فرزانہ نے گویا اپنا فیصلہ سنایا۔

"یہ بات تو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے، تم نے کون سا کمال کر دیا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"سمجھ لو، کس نے روکا ہے۔" محمود نے بے فکری کے انداز میں کہا۔

"آپ میں سے برٹائن سے کون آیا ہے۔"

"میں۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"دیکھیں بھئی! ہم یہ تو مان سکتے ہیں کہ آپ تینوں برٹائن سے آئے ہیں، یہ نہیں مان سکتے کہ ہمارے والد سے وہاں آپ تینوں نے ملاقات کی تھی، میرا مطلب ہے، اس ہوٹل میں، کیا نام تھا ابا جان اس ہوٹل کا۔"

"ہوٹل الماریا۔" انسپکٹر جمشید کے ساتھ وہ تینوں بھی پکار اٹھے۔

"کک... کیا اس ہوٹل میں الماریاں ہی الماریاں ہیں۔" فاروق نے مارے حیرت کے کہا۔

"یوں بات نہیں بنے گی، ان تینوں حضرات کے الگ الگ بیانات لینا ہوں گے، تب ہم فیصلہ کر سکیں گے کہ ان میں سے کون اصلی ہے، کون نقلی اور جو دو نقلی ہیں، وہ کیا چاہتے ہیں، یہ چکر چلا کر وہ اپنا کون سا کام نکالنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" تینوں بولے۔

"اچھی بات ہے! محمود ان دو حضرات کو اپنے کمرے میں لے جاؤ وہاں انہیں بند کر دو.. ہم ان سے سوالات کریں گے، پھر انہیں ایک اور کمرے میں پہنچا کر وہ تمہارے کمرے سے دوسرے مہمان کو بلائیں گے، اسی طرح تیسرے سے

سوالات کیے جائیں گے...

"جی بہت اچھا۔"

"آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"بالکل نہیں۔" وہ فوراً بولے۔

انسپکٹر جمشید کا منہ بن گیا۔ ابھی وہ اٹھے ہی تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی وہ اچھل پڑے۔ انداز خان رحمان کا تھا:

"لو بھئی، تمہارے انکل بھی آ گئے اور یہ اچھا ہی ہوا۔"

"تب پھر پروفیسر انکل کو بھی فون کر دیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔"

"جی کس کی ضرورت نہیں۔" محمود نے فوراً پوچھا۔

"انہیں فون کرنے کی... وہ بھی خان رحمان کے ساتھ ہیں۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"گھنٹی بجانے کا انداز.. جب خان رحمان اکیلے ہوتے ہیں تو گھنٹی اور طرح بجاتے ہیں، جب پروفیسر داؤد ساتھ ہوتے ہیں، تو اور طرح بجاتے ہیں۔"

"حیرت ہے، ہم نے آج تک اس پر توجہ نہیں دی۔" محمود نے کہا۔

"اب دے لینا، روکا کس نے ہے... اب جا کر دروازہ تو کھول دو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"اوہ ہاں!" اس نے چونک کر کہا پھر بیرونی دروازے کی طرف دوڑ لگا دی، باہر واقعی دونوں موجود تھے۔

"ابا جان کا اندازہ درست تھا۔"

"کک... کون سا اندازہ! ہم نے تو اسے کوئی اندازہ لگانے کے لیے

نہیں کہا تھا۔'' پروفیسر داؤد بوکھلا کر بولے۔

''انھوں نے کہا تھا، دروازے پر آپ بھی موجود ہیں۔''

''لیکن جمشید نے یہ اندازہ کس طرح لگالیا۔ گھنٹی تو صرف میں نے بجائی تھی۔'' خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ان کا کہنا ہے کہ جب تمہارے انکل خان رحمان اکیلے ہوتے ہیں تو گھنٹی بجانے کا انداز اور ہوتا ہے . . . جب پروفیسر انکل ساتھ ہوتے ہیں تو انداز اور ہوتا ہے۔''

''حیرت ہے... کمال ہے، اس بات کا اندازہ تو ہمیں بھی نہیں۔'' خان رحمان بولے۔

''خیر آیئے... آپ کے لیے اندر بھی حیرت کا سامان موجود ہے، خوب حیرت کا لطف اٹھایئے۔''

''کک.... کیا کہا، حیرت کا لطف؟'' ان کے منہ سے نکلا۔

''کک.... کیوں انکل! کیا ہوا۔''

''مم... میرا مطلب ہے، یہ تو کسی ناول کا نام ہوسکتا ہے۔''

''لیکن آپ فاروق نہیں ہیں... آپ۔''

جونہی وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے، بہت زور سے اچھلے۔

''یہ... یہ... یہ کیا چرچڑی اور تین تین۔'' خان رحمان پکار اٹھے۔

انہیں ہنسی آگئی۔

''اور تم کس بات پر ہنس رہے ہو۔''

''ایک تو آپ نے محاورے کی کایا پلٹ کر رکھ دی، پھر غلط موقع پر اس کا غلط استعمال کیا اور اوپر سے پوچھ رہے ہیں... ہم کس بات پر ہنس رہے ہیں۔''

''وہ... دراصل بات یہ ہے کہ میرا اور محاورات کا چولی دامن کا ساتھ نہیں ہے نا۔'' انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

''میرا خیال ہے، اس موقعے پر یہ محاورہ بولنا چاہیے تھا، کوا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا۔'' پروفیسر بولے۔

''جی نہیں... یہ بھی نہیں... ہاں یہ کہہ سکتے ہیں، یک نہ شد سہ شد۔ محاورہ اگرچہ یہ ہے، یک نہ شد دو شد، لیکن یہاں چونکہ تین موجود ہیں، اس دو کے بجائے سہ یعنی تین کا لفظ بولنا پڑے گا۔''

''حد ہوگئی . . . . آتے ہی محاورات کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''چلو خیر.... اب ہم یہ پوچھ لیتے ہیں، یہ کیا معاملہ ہے، یہاں ایک شکل کے تین انسان کیوں موجود ہیں.... انھیں ایسی کیا مجبوری پیش آگئی کہ ایک کے تین بن گئے... کیا ایک سے کام نہیں چل رہا تھا۔'' پروفیسر داؤد نے جلدی جلدی کہا۔

''یہ آخری بات آپ نے خوب کہی۔'' فرزانہ فوراً بولی۔

''تت تو کیا آخری بات سے پہلے والی ساری باتیں غلط ہیں۔'' انھوں نے غصّے کے انداز میں کہا۔

''مم . . . . میرا یہ مطلب نہیں تھا . . . ان کا گزارہ ایک سے نہیں ہو رہا تھا، اسی لیے تو ایک کے تین بن کر آئے ہیں۔''

''مارے حیرت کے ہمارا بہت اچھا حال ہے، لہٰذا ٹھہر ٹھہر کر بتاؤ، یہ کیا چکر ہے۔''

''یہ آپ نے کیا کہا، آپ کا حال بہت اچھا ہے، لہٰذا ٹھہر ٹھہر کر بتاؤ۔'' فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں بھئی، جب کسی کہانی میں مزہ آتا ہے تو حال بہت اچھا ہوتا ہے اور جی چاہتا ہے، اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔''

''آپ اطمینان سے بیٹھ جائیں، میں پہلے تفصیل سنا دوں۔''

اور پھر انھوں نے ساری کہانی سنا دی، پھر بتایا کہ اب وہ کیا کرنے والے ہیں، اس پر پروفیسر داؤد نے کہا۔

''اس کی بھی ضرورت نہیں، یہ تو ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔''

''آپ... آپ نے بتایا نہیں انکل، اور دودھ کا کاروبار شروع کر دیا۔'' فاروق نے گلہ کیا۔

''حد ہو گئی... حد ہو گئی۔''

''آپ کا مطلب ہے، ڈبل حد ہو گئی۔'' فاروق نے پوچھا۔

''ہاں تو آپ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر رہے تھے۔'' انسپکٹر جمشید نے جھلائے ہوئے انداز میں فاروق کی طرف دیکھا۔

''میرے پاس اتفاق سے اس وقت ایک لوشن ہے۔ جو میک اپ صاف کر کے رکھ دیتا ہے۔''

''تب پھر پہلے اسی کو آزما لیتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔ پھر ان کی طرف مڑے۔

''آپ لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں۔''

''نہیں، اس لیے کہ میں تو خود چاہتا ہوں، جلد از جلد معلوم ہو کہ کون سے دو نقلی ہیں۔'' تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

پروفیسر داؤد اور خان رحمان ہنس پڑے۔

اب انھوں نے اپنا لوشن ان تینوں کے چہروں پر مل دیا اور لگے انتظار کرنے:

''کتنے منٹ کا انتظار ہے انکل۔''

''یہ تین ہیں نا، بس تین منٹ۔'' وہ بولے..

پھر تین منٹ گزر گئے۔ ان کے چہرے جوں کے توں رہے۔ یہ دیکھ کر پروفیسر داؤد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا:

''آپ کا تیر خالی گیا۔''

''اس میں شک نہیں۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

''لل.... لیکن... اب... اب کیا ہو گا جمشید۔''

''ہم وہی طریقہ اختیار کریں گے، تینوں کا الگ الگ بیان لیں گے، پھر ان کا جائزہ لیں گے.... کہیں نہ کہیں ہمیں کوئی ایسی بات نظر آ جائے گی جس سے اصل نقل کا پتا چل جائے گا۔''

''ٹھیک ہے... میں ان دو کو اپنے کمرے میں لے جاتا ہوں۔''

''لیکن... کمرے میں رہ کر یہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''

''اس کا بہترین حل یہ ہے کہ انہیں مہمان خانے میں لے جاؤ...'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اوہ ہاں واقعی۔''

اور پھر دو کو مہمان خانے میں بٹھا کر انھوں نے پہلے سے سوالات شروع کیے۔

''میں پچھلے سال سرکاری کام سے برٹائن گیا تھا، ہوٹل المارا کے کمرہ 239 میں ٹھہرا تھا۔ آپ وہاں ملازم تھے... غالباً ہیڈ بیرے کے طور پر... یہی بات

ہے نا۔"

"جی ہاں! آپ کو جس چیز کی بھی ضرورت پیش آئی، میں نے فوراً مہیا کی تھی۔ اس طرح آپ مجھ سے دوستوں کی طرح ملنے جلنے لگے میں بھی آپ سے کافی بے تکلف ہو گیا تھا۔ پھر آپ کو کسی نے کھانے میں زہر دے دیا تھا اور آپ زہر کے بارے میں کسی کو بتائے بغیر دوسرے ہوٹل میں چلے گئے تھے۔ بعد میں ہمیں کسی نے گمنام فون کیا تھا اور بتایا تھا کہ کمرہ نمبر 239 کے مسافر کے کھانے میں زہر ملایا گیا تھا، انہیں اس بات کا پتا چل گیا، چنانچہ وہ ہوٹل چھوڑ کر چلے گئے..... جی بس..... میری کہانی تو اتنی سی ہے، میرا یہاں آنے کا پروگرام بنا تو آپ مجھے یاد آ گئے، میں نے آپ کو فون کیا اور آپ نے مجھے بطور مہمان رکھنے پر خوشی ظاہر کر دی۔"

"چلیے ٹھیک ہے، یہاں تک بات اسی طرح ہے، اب یہ بتائیں اپنے وطن آنے کا پروگرام کس سلسلے میں بنا ہے۔"

"میری یہاں کچھ زمین ہے، اس کو فروخت کرنے کے سلسلے میں آیا ہوں.. آپ نے چونکہ ہوٹل میں قیام کے دوران یہ پیش کش کی تھی کہ وطن آنا ہو تو میں آپ کے ہاں ٹھہروں، سو آپ کی بات اس موقع پر یاد آ گئی اور میں نے آپ کو فون کر دیا۔ فون نمبر خود آپ نے مجھے دیا تھا..... جی بس اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں، مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں یہاں آؤں گا تو میرے دو ہم شکل میرے ساتھ یہاں آ دھمکیں گے، میں نہیں جانتا، یہ کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں اور کیوں آئے ہیں۔ ان کا پروگرام کیا ہے، یا یہ کیا سوچ کر آئے ہیں، میں یہ بھی نہیں جانتا، ان کی شکل صورت مجھ سے اس قدر ملتی جلتی کیوں ہے۔"

"آپ کہاں پیدا ہوئے تھے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"شہر سابو کے گاؤں میں پیدا ہوا تھا، میٹرک میں نے اس گاؤں سے کیا

تھا، پھر شہر سابو سے بی اے کیا اور کسی دوست کی مہربانی سے برٹائن آ گیا، وہاں ملازمت تلاش کرتے کرتے آخر اس ہوٹل میں بیرے کی ملازمت مل گئی۔ وہاں میں نے خوب محنت کی، یہاں تک کے ہوٹل کے مالک نے خوش ہو کر مجھے ہیڈ بیرا بنا دیا..."

وہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"اچھی بات ہے، آپ ذرا اس کاغذ پر انگلیوں کے نشانات دے دیں اور دوسرے کمرے میں بیٹھ جائیں۔ محمود تم دوسرے مہمان کو بلا لاؤ۔"

"دو..... دوسرا مہمان..... یہ تو..." فاروق نے کہنا چاہا۔

"بس بس! رہنے دو یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"کیوں بھئی! ہو کیوں نہیں سکتا۔" خان رحمان مسکرائے۔

"اس لیے کہ ابھی تیسرا مہمان باقی ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

فاروق کا منہ بن گیا، وہ لگے مسکرانے اور محمود دوسرے کو لینے چلا گیا۔ ادھر پہلا نشانات دے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

اب انھوں نے دوسرے سے سوالات شروع کیے۔

"گذشتہ سال جب میں برٹائن گیا تو ہوٹل المارا میں ٹھہرا تھا۔ آپ وہاں ہیڈ بیرے تھے... یہی بات ہے نا۔"

"جی بالکل! میں نے خاص طور پر آپ کی ضروریات کا خیال رکھا تھا، اس طرح آپ مجھ سے بے تکلف ہو گئے، پھر کسی نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا، لیکن آپ کسی کو کچھ بتائے بغیر ہوٹل سے چلے گئے تھے، وہاں قیام کے دوران آپ نے پیش کش کی تھی کہ کبھی وطن آنا ہو تو میں آپ کے ہاں ٹھہروں، اب جب مجھے یہاں آنا

پڑا تو آپ مجھے یاد آ گئے، میں نے آپ کو فون کر دیا اور چلا آیا آپ کے ہاں، اب مجھے کیا معلوم تھا کہ یہاں کیا معاملہ پیش آئے گا... معلوم ہوتا تو نہ آتا... مجھے افسوس ہے، میری وجہ سے آپ کو الجھن آ پڑی۔ سس...... سوری۔"

"کوئی بات نہیں! آپ پریشان نہ ہوں۔"

اب اسے بھی واپس ایک کمرے میں بٹھا دیا گیا اور تیسرے کی باری آئی۔ اس نے بھی بالکل یہی کہانی سنائی اور اپنی کہانی ختم کرتے ہوئے سرد آہ بھر کر بولا:

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ کیا گڑبڑ ہے، میرا اس گڑبڑ سے کوئی تعلق نہیں، میں ہی وہ فواد جلیبی ہوں جس نے ہوٹل میں آپ کی خدمت کی تھی.... اس میں شک نہیں، میں ان دنوں کی ایک ایک بات بتا سکتا ہوں، آپ جس طرح چاہیں، میرا امتحان لے سکتے ہیں مم..."

"کہیے! آپ رک کیوں گئے۔"

"میں رکا نہیں، اپنی بات پوری کر چکا ہوں... مم۔"

"اوہ اچھا خیر... محمود دو باقی مہمانوں کو بھی یہیں بلاؤ۔"

محمود گیا اور انھیں لے آیا۔ اب انسپکٹر جمشید نے ان سے کہا:

"آج رات آپ تینوں میرے گھر میں آرام کریں، میں صبح آپ کو بتاؤں گا کہ آپ میں سے وہ کون سے فواد جلیبی ہیں جن سے میری ملاقات برٹائن کے ہوٹل المارا میں ہوئی تھی، میں یہ بھی بتاؤں گا کہ اب یہاں دو عدد نقل فواد کیوں آئے ہیں۔ پوری سازش کو میں پوری طرح بھانپ چکا ہوں اور میں ہوا میں تیر نہیں چلاؤں گا، جو بات کہوں گا، اسے ثابت بھی کروں گا.... اب آپ مہمان خانے میں آرام کریں۔"

تینوں پریشانی کے عالم میں اٹھ گئے۔ ان کے جانے کے بعد خان رحمان نے کہا۔

"بہت خوب جمشید! اچھی چال چلی..."

"چال... کون سی چال۔" وہ چونکے۔

"جی وہی... چال بے ڈھنگی۔" فاروق مسکرایا۔

"میں نے تم سے نہیں پوچھا۔" انہوں نے جھلا کر کہا۔

"چلیے انکل! آپ ڈھنگ کی چال بتا دیں۔"

"یہی جمشید! تم نے ان سے کہا نا کہ تم جان گئے ہو، ہوٹل والا کون سا ہے۔"

"تو تمہارا خیال ہے، یہ کہ میں نے چال چلی ہے۔"

"ارے! تو کیا یہ بات نہیں ہے۔"

"نہیں! میں واقعی جان چکا ہوں کہ ان میں سے فواد جلیبی کون ہے، میں نے ان کے بیانات کو بہت غور سے سنا ہے اور مجھے ایک واضح فرق محسوس ہوا ہے، اس فرق کی بنیاد پر میں نے فوراً ہی نتیجہ نکال لیا اور میں بتا سکتا ہوں، ہوٹل والا کون سا ہے۔"

"چاہے وہ کمرے میں جا کر لباس تبدیل کر لیں اور تینوں اور ہی لباسوں میں نظر آئیں۔"

"ہاں بالکل... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"کمال ہے... حیرت ہے.. اچھا تو پھر بتاؤ.. ان میں وہ کون سا ہے اور یہ چکر کیا ہے۔"

"یہ تو خیر میں نہیں بتاؤں گا... صبح ان کے سامنے ہی سن لیجیے گا۔"

‘‘گویا ہم رات بھر سسپنس کے انگارے چباتے رہیں۔’’ خان رحمان جھلا کر بولے۔

‘‘واہ: کیا بات کہی... سسپنس کے انگارے۔’’ محمود نے تعریف کی۔

‘‘اگر اتنے ہی پسند آ گئے ہیں تو تم چبا لو۔’’ فاروق نے فوراً دعوت دی۔

‘‘کک... کیا چبا لو۔’’ فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

‘‘انگارے اور کیا۔’’ فاروق مسکرایا۔

‘‘وہ بھی سسپنس کے۔’’ فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

‘‘ثابت ہوا، اس وقت ابا جان کچھ نہیں بتائیں گے، لہٰذا ہمیں صبح تک صبر کرنا ہوگا۔’’

‘‘یہ صبر تو کچھ میٹھا نہیں لگ رہا۔’’ پروفیسر داؤد نے جل کر کہا۔

‘‘صبر خود نہیں انکل.... صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔’’

وہ مسکرا دیے، مہمان رات کا کھانا کھا کر سونے کے لیے چلے گئے۔ انھوں نے بھی اپنے اپنے کمروں کی راہ لی.... صبح کا انتظار ان کے لیے واقعی مشکل تھا اور وہ نہ جانے کتنی دیر کروٹیں بدلتے رہے۔ آخر صبح ہوئی، نماز کے لیے وہ مسجد کی طرف چل دیے۔ نماز سے فارغ ہو کر گھر لوٹے تو انھیں عجیب سا احساس ہوا، کیونکہ دروازہ اندر سے بند نہیں ملا تھا اور یہ بیگم جمشید کا معمول نہیں تھا.. جب وہ نماز کے لیے جاتے تھے تو وہ دروازہ اندر سے بند کرنا نہیں بھولتی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھے، بیگم جمشید باورچی خانے میں بے ہوش پڑی تھیں اور ان تین میں سے ایک اپنے کمرے کے فرش پر دروازے کے بالکل ساتھ بے ہوش پڑا تھا۔

اپنا کام کریں

وہ تیزی سے آگے بڑھے۔ انھیں ہلایا جلایا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ لیکن وہ ہوش میں نہ آ سکے۔ اب انسپکٹر جمشید نے انھیں ایک ہومیو پیتھک دوا سنگھائی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ڈاکٹر فاضل کو فون کیا گیا۔ وہ آئے۔ انھوں نے اپنی سی کوشش کر ڈالی، کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر بولے:

‘‘یہ بے ہوشی عام بے ہوشی نہیں ہے، انھیں ہسپتال لے جانا ہوگا۔’’

آخر انھیں ہسپتال لے جایا گیا۔ گھر میں محمود اور فاروق کو چھوڑ دیا گیا۔ فرزانہ، انسپکٹر جمشید، خان رحمان اور پروفیسر داؤد ہسپتال چلے گئے۔

محمود اور فاروق نے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور صحن میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے:

‘‘ہم یوں ایک دوسرے کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں بھلا؟’’ فاروق نے پوچھا۔

‘‘یہی سوال میں تم سے کرتا ہوں۔’’

‘‘یہ کیا بات ہوئی۔’’ محمود نے منہ بنایا۔

‘‘میں بھی یہی کہہ سکتا ہوں۔’’

”اچھا بابا چپ رہو۔“

”بات تم کر رہے ہو اور چپ ہونے کے لیے مجھ سے کہ رہے ہو۔“ فاروق جھلا اٹھا۔

”اچھا چلو یہ بتاؤ! یہ سب کیا تھا۔“

”جب ان دونوں نے دیکھا کہ ہمارے والد صاحب نے یہ جان لیا ہے کہ تینوں میں سے اصل کون ہے تو دونوں نقلی بھاگ نکلے، لیکن بھاگنے سے پہلے انھوں نے امی جان اور فواد جلیبی کو بے ہوش کر دیا۔“

”یہ بات تو ایک بے وقوف آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔“ محمود جل گیا۔

”تب تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”ان کا مقصد کیا تھا۔“

”کسی سازش کے تحت آئے تھے، لیکن ان کی دال گل نہ سکی، لہٰذا دونوں بھاگ گئے۔“

”اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ یہ معاملہ بس اتنا سا تھا اور ختم ہو گیا۔“

”ایسا لگتا نہیں۔ ابا جان بھلا انھیں گرفتار کیے بغیر کہاں رہیں گے۔“

ایسے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ دونوں چونکے۔ گھنٹی بجانے کا انداز اجنبی سا تھا، محمود نے دروازے پر پہنچ کر کہا۔

”کون صاحب ہیں۔“

”یہ ہم ہیں۔“ باہر سے دونوں فواد جلیبی کی آواز سنائی دی۔

”کیا مطلب؟“

”آپ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں جناب؟“ اب ایک بولا۔

”آپ کہاں چلے گئے تھے۔“

”ذرا گھومنے نکل گئے تھے۔“

”تب پھر تیسرے کو کیوں ساتھ نہیں لے گئے تھے۔“

”اسے نیند آ گئی تھی۔“

محمود نے فاروق پر ایک نظر ڈالی اور پھر دروازہ کھول دیا۔ باہر واقعی وہ دونوں موجود تھے۔

”تشریف لائیے، ویسے اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ آپ دونوں نقلی ہیں۔“ محمود نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

محمود کی بات سن کر دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر بولے۔

”کیا ہم نقلی ہیں۔“

”نہیں! بالکل نہیں، ہم نقلی نہیں ہیں۔“ دونوں نے خود ہی جواب دیا۔

”آپ کے تیسرے ہم شکل کو نیند نہیں آ گئی تھی، وہ بے ہوش ہے... اور اس کے ساتھ ہماری والدہ بھی گھر میں بے ہوش ملی ہیں، ہم سب کو یہ یقین سو فیصد ہے کہ ان دونوں کی بے ہوشی میں آپ دونوں کا ہاتھ ہے۔“

”ہمارا ہاتھ... یہ دیکھیے! ہمارا ہاتھ، کیا اس ہاتھ کا تعلق بے ہوشی سے نظر آتا ہے آپ کو۔“

”آپ تو مذاق اڑانے پر اتر آئے.... اگر ہم بھی کہیں مذاق اڑانے پر تل گئے تو پھر آپ تو بھاگتے بنے گی، اپنا سا منہ لے کر رہ جائیں گے اور کسی کونے میں منہ چھپاتے پھریں گے۔“ فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

”کوئی پروا نہیں، آپ کے گھر میں کونوں کی کیا کمی ہے۔“ اس بار ان میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔

''اب ہمیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ آپ دونوں نقلی ہیں اور کسی سازش کے تحت آئے تھے، لہٰذا اب ذرا ہاتھ اوپر اٹھا دیں... تاکہ ہم پہلے آپ کی تلاشی لیں اور پھر آپ کو حوالات بھجوا دیں... فاروق تم ذرا انکل اکرام کو فون کرو۔''

''چونکہ تم نے یہ آخری جملہ بالکل ابا جان کے انداز میں کہا، اس لیے میں فون نہیں کروں گا.... تم مجھ پر حکم نہیں چلا سکتے۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''تب پھر تم کیا کرو گے۔''

''یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ میں کیا کروں گا اور کیا نہیں کروں گا، لیکن یہ بات بھی یقینی ہے کہ کچھ نہ کچھ کروں گا ضرور۔'' فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

''ارے تم نے اب تک ہاتھ نہیں اٹھائے۔'' محمود نے چونک کر کہا۔

''سوال یہ ہے کہ ہم ہاتھ کیوں اٹھائیں... آپ کے ہاتھ میں کوئی پستول تو نظر نہیں آ رہا۔''

''اچھی بات ہے... یہ لیں پستول۔'' محمود نے یہ کہتے ہی پستول نکال لیا...

''ہاں! یہ ہوئی بات.... اب دوبارہ کہو، ہاتھ اوپر اٹھا دو۔''

''اس میں دوبارہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔'' فاروق جھلا اٹھا۔

''اگر نہیں کہیں گے تو ہم بھی ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔''

''خوب... بہت خوب! لگتا ہے... آپ واقعی مذاق کے موڈ میں ہیں، بلکہ مذاق اڑانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں... کاش آپ نقد کھائے بیٹھے ہوتے۔'' فاروق کا لہجہ دکھ بھرا ہو گیا۔

''کیا کہا... نقد کھائے بیٹھے ہوتے۔'' محمود نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں! اور کیا، ادھار کھائے بیٹھنے سے یہ کہیں بہتر ہے، انسان نقد کھائے

بیٹھے۔'' فاروق مسکرایا۔

''حد ہو گئی... حد ہو گئی۔''

''ہو گئی گی.. ہو گئی گی... اس لیے کہ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔''

فاروق بھلا کب رکنے والا تھا۔

''توبہ ہے تم سے۔''

''تم دونوں جب باتیں کر کے تھک جاؤ... بتا دینا۔'' ان میں سے ایک نے منہ بنا کر کہا۔

''کیوں! اس وقت آپ کیا کریں گے۔''

''آپ دونوں کو بھی بے ہوش کریں گے اور کیا کریں گے تاکہ اپنا کام کر سکیں۔'' دوسرا بولا۔

''کیا مطلب۔'' وہ زور سے اچھلے۔

ساتھ ہی ایک گولی فرش پر گر کر دھماکے سے پھٹی۔ دھماکا بہت ہلکی آواز کا تھا۔ محمود اور فاروق تڑ سے گرے اور ساکت ہو گئے۔

ادھر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

''بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے تھے.... ایک گولی کی مار بھی ثابت نہیں ہوئے... آؤ اپنا کام کریں۔''

مہمان کا اغوا

تین گھنٹے کی سرتوڑ کوششوں کے بعد آخر ان دونوں کو ہوش آ گیا۔ ڈاکٹر حضرات نے انھیں بالکل تندرست قرار دے دیا، اب وہ ہسپتال میں رک کر کیا کرتے.... گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

جونہی گھر کے سامنے پہنچے، ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ گھر کا دروازہ کھلا تھا.... انسپکٹر جمشید دوڑ کر اندر داخل ہوئے اور دھک سے رہ گئے۔ محمود اور فاروق صحن کے فرش پر بے ہوش پڑے تھے..

"اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ ہو کیا رہا ہے.. خان رحمان اور پروفیسر صاحب... آپ یہیں ٹھہریں... میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں.. میں ان دونوں کو ہسپتال پہنچا کر خود بھی یہیں آ جاؤں گا۔"

"نہیں جمشید۔" ایسے میں پروفیسر داؤد بول اٹھے۔

"کیا فرمایا آپ نے نہیں جمشید۔" وہ چونکے۔

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے، ہسپتال تم نہیں... میں جاتا ہوں انھیں لے کر۔ تمہاری گھر میں زیادہ ضرورت ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

پروفیسر داؤد ان دونوں کو لے کر چلے گئے۔ انسپکٹر جمشید فواد جلیبی

کی طرف مڑے:

"آپ اپنے کمرے میں آرام کریں۔"

"میری وجہ سے آپ پریشانیوں میں گھر گئے ہیں، اب میرا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں، لہٰذا مجھے اجازت دیں، میں اب کسی ہوٹل میں ٹھہروں گا۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"ابھی تو خیر آپ کو یہیں ٹھہرنا ہوگا... اس لیے کہ اس معاملے کی چھان بین تو کرنا ہوگی۔ آخر دونوں نقلی فواد کس لیے آئے تھے۔ انھوں نے بے ہوشی کا کھیل کیوں رچایا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کہا اور مہمان خانے کی طرف بڑھ گیا۔

بیگم جمشید اپنے کمرے میں چلی گئیں، تاکہ آرام کر سکیں۔ خان رحمان، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید صحن میں بیٹھ گئے..

"کچھ ذہن میں آیا فرزانہ۔"

"اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہ کوئی سازش ہے، اور ہمارے خلاف ہے۔" فرزانہ بولی۔

انسپکٹر جمشید نے تائید کے انداز میں سر ہلایا اور بولے:

"ان دونوں کی بے ہوشی کا مطلب ہے کہ ہمارے جانے کے بعد وہ دونوں پھر یہاں آئے تھے اور اس بار انھوں نے انھیں بے ہوش کیا تھا... سوال یہ ہے کہ کیوں؟"

"جواب معلوم نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"لیکن ہم غور تو کر سکتے ہیں۔"

"ہوں! اچھا... میں غور شروع کر رہی ہوں۔"

عین اس لمحے انھیں مہمان کے کمرے میں کھٹکا محسوس ہوا۔ وہ تیزی سے اٹھے اور اس کمرے کی طرف دوڑے۔

مہمان خانے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر فواد جلیبی موجود نہیں تھا۔ البتہ مہمان خانے کا جو دروازہ پائیں باغ میں کھلتا تھا، وہ چوپٹ کھلا تھا۔ یہ باغ میں آئے، لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھا... پھر انھوں نے پورا باغ اور گھر اچھی طرح دیکھ ڈالے، لیکن اس کا کہیں نشان نہ ملا۔

''لیجیے... یہ بھی گیا۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''کیا وہ دونوں اسے اغوا کر کے لے گئے؟'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''نظر تو یہی آتا ہے، خان رحمان نے منہ بنایا۔

''ہم نے گھر میں داخل ہونے کے بعد باغ کو تو دیکھا ہی نہیں.. وہ دونوں باغ میں تھے۔ مہمان خانے کا دروازہ انھوں نے پہلے ہی کھول رکھا تھا... لہذا اسے اغوا کر کے لے جانا ان کے لیے کیا مشکل تھا۔''

''گگ... گویا وہ ہمارے مہمان کو اغوا کر کے لے گئے۔''

''اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔''

''مم... مہمان کا اغوا۔'' خان رحمان بڑبڑائے۔

''ہاں اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے مہمان کو اغوا کر کے لے گئے، لیکن خان عبدرحمان تم نے یہ جملہ چونک کر کیوں کہا؟'' پروفیسر بولے۔

''مم... میرا مطلب ہے، یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔''

''حد ہو گئی۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''اب... اب کیا ہو گا جمشید۔''

''ہم اپنے مہمان کو ان سے چھڑائیں گے... وہ بے چارہ اتنی دور سے آیا

تھا، اور ہمارے گھر سے اسے اغوا کیا گیا ہے، لہذا ہم ان تک پہنچیں گے۔''

''لیکن کیسے؟ محمود اور فاروق کے بغیر۔'' خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی

''کیا مطلب... کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں ان کی مدد کے بغیر مہمان کو تلاش نہیں کر سکتا۔''

''یہ بات نہیں! میرا مطلب تھا، ان کے بغیر سفر میں کیا خاک مزا آئے گا۔''

''سفر! خان رحمان یہ تم سفر کہاں سے لے آئے درمیان میں۔'' ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''آج تمہاری عقل شاید گھاس چرنے چلی گئی ہے۔'' خان رحمان نے منہ بنایا۔

''بھئی واہ... بہت مزے دار اندازہ لگایا۔'' پروفیسر بولے۔

''کک... کیا کہا... مزے دار اندازہ۔'' خان رحمان بوکھلا اٹھے۔

''کیوں! اس میں کیا ہے۔''

''میرا مطلب ہے، یہ بھی تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔''

''حد ہو گئی.. توبہ ہے آپ دونوں سے، میں نے پوچھا تھا، سفر کہاں سے ٹپک پڑا؟''

''بھئی مہمان برٹائن سے آیا تھا... تو ظاہر ہے، سازشی مہمان بھی وہیں سے آئے تھے اور اب اگر وہ غائب ہیں تو ظاہر ہے، برٹائن ہی تو گئے ہوں گے اور ہمارے مہمان کے ساتھ انھوں نے کیا کیا... یہ ایک پریشان کن سوال ہے... اس لیے لازمی بات ہے، ہمیں برٹائن جانا ہوگا۔''

"ہوں! میرا خیال ہے! آپ کا اندازہ درست ہے... خیر! ایک منٹ ٹھہریں... میں ذرا خفیہ کارکن کی رپورٹ معلوم کرلوں۔"

"خفیہ کارکن کی رپورٹ، یہ خفیہ کارکن کہاں سے آ شامل ہوا۔"

"ایک خفیہ کارکن کی ڈیوٹی ہمیشہ ایئر پورٹ پر ہوتی ہے، شاید اس نے کچھ نوٹ کیا ہو۔" انھوں نے کہا۔

پھر اس سے رابطہ قائم کیا۔ اس کی بات سن کر انھوں نے سیٹ بند کر دیا، ان کی طرف مڑے اور بولے:

"نہیں! اس نے ایسے دو یا تین افراد کو سوار ہوتے نہیں دیکھا... البتہ۔" وہ کہتے کہتے رک گئے۔ لہجے میں جوش آ گیا۔

"البتہ کیا۔"

"اس نے دو ہم شکلوں کو جہاز سے اترتے ضرور دیکھا تھا... پہلے پر شاید اس کی نظر نہیں پڑی ہوگی، ورنہ وہ زیادہ زور سے چونکتا... خیر جب اس نے دو ہم شکلوں کو دیکھا تو ان کا تعاقب کیا تھا۔"

"ارے... واہ... مزا آ گیا۔" خان رحمان اچھلے۔

"ہاں! میرا خیال ہے، مزا آئے گا۔" وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب..."

"دونوں پہلے ہوٹل رانے میں ٹھہرے تھے، وہاں ایک دن قیام کرنے کے بعد ہوٹل سے باہر نکلے تھے۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مطلب یہ کہ اب ہم پہلے ہوٹل رانے جائیں گے۔" فرزانہ پر جوش انداز میں بول اٹھی۔

"اور محمود اور فاروق ساتھ نہیں ہوں گے۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"فکر نہ کریں انکل... اگر برٹائن جانا ہوا تو ہم انھیں ساتھ لے کر جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

اور پھر وہ ہوٹل رانے پہنچ گئے۔ یہ ایک غیر ملکی ہوٹل تھا بہت بڑا اور مہنگا ترین تھا، بہت زیادہ دولت مند لوگ ہی اس میں ٹھہرنے کی کوشش کرتے تھے۔

کاؤنٹر پر پہنچ کر انھوں نے اپنا کارڈ دکھایا۔ وہاں موجود ملازم نے انھیں فوراً منیجر کے کمرے میں پہنچا دیا۔

"پرسوں یہاں دو غیر ملکی ٹھہرے تھے وہ ہم شکل تھے.. ہم ان کا کمرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔"

منیجر نے متعلقہ ملازم کو بلالیا۔ جلد ہی ملازم انھیں اس کمرے میں لے آیا۔ اس وقت یہ کمرہ خالی تھا۔

"انھوں نے رات اس کمرے میں گزاری تھی۔ دوسری صبح وہ یہاں سے چلے گئے تھے۔"

"شکریہ! ہمیں یہاں کچھ دیر لگے گی، آپ جا سکتے ہیں، ہم فارغ ہوں گے تو آپ کو بتا دیں گے۔"

"جی اچھا۔"

اور پھر انھوں نے اکرام کو فون کیا۔ اسے ہدایات دیں۔ وہ بھی اپنے عملے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا... کمرے سے انگلیوں کے نشانات لیے جانے لگے... ایسے میں فرزانہ کی نظر ایک چیز پر پڑی...

اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔

ہوٹل المارا

اس نے دیکھا صوفے کے نیچے ایک سنہری رنگ کی زنجیر پڑی تھی

''اف مالک! یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔''

انسپکٹر جمشید اس کی آواز سن کر چونکے اور اس طرف دیکھا، انسپکٹر جمشید بھی بہت زور سے اچھلے، ان کے منہ سے نکلا۔

''کیا مطلب؟''

''کیا ہوا جمشید.. خیر تو ہے۔''

''وہ.... وہ دیکھیے زنجیر۔''

''زنجیر... وہ بھی سنہری۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''اوہو تو پھر کیا ہوا.. کسی مسافر کی رہ گئی ہوگی... یا ان دونوں میں سے کسی کی ہوگی۔'' خان رحمان نے منہ بنایا۔

''آپ بھول گئے، اس زنجیر سے ابھی کچھ ہی دنوں پہلے ہمارا واسطہ پڑ چکا ہے۔''

''اوہ... اوہ... تمہارا مطلب ہے، یہ بلیک گولڈ تنظیم کی زنجیر ہے۔''

''ہاں! حالات بھی اسی قسم کے ہیں، اور اس کا مطلب ہے، یہ لوگ ابھی تک حرکت میں ہیں۔''

''اللہ اپنا رحم فرمائے۔'' پروفیسر بولے۔

انھوں نے زنجیر کو بھی محفوظ کر لیا، اس پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے۔ معلوم ہوا، نشانات ان تین میں سے ایک کے تھے۔

''ہمیں، برٹائن جانا ہوگا...'' انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

''چلے چلتے ہیں.... ہمارا کیا جاتا ہے۔'' خان رحمان نے کندھے اچکائے۔

ایسے میں اکرام ان کی طرف آیا:

''اس کمرے سے تو بس ان دو ہی کے نشانات ملے ہیں۔''

''اور زنجیر پر ان میں سے ایک کے نشانات ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے، تیسرا یہاں نہیں آیا تھا۔''

''تب پھر یہ کہا جائے گا جمشید... وہ ہمارے مہمان کی آڑ لے کر ہمارے گھر میں آئے تھے۔''

''لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ میک اپ میں نہیں تھے...'' پروفیسر داؤد نے منہ بنایا۔

''ہاں! یہ بات عجیب ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں، اس لیے کہ تین جڑواں بھائی بھی ہو سکتے ہیں۔''

''اور میرا خیال ہے، وہ دونوں فواد جلیبی کے میک اپ میں ہی یہاں آئے تھے۔ اور شاید وہ میک اپ ایسا تھا جو کسی لوشن سے اتر نہیں سکتا تھا۔''

''مطلب یہ ہوا کہ پہلی شکست کے بعد اب بلیک گولڈ تنظیم نے پھر وار کیا

ہے، لیکن اس بار اس نے کوئی فائل وغیرہ اڑانے کی کوشش نہیں کی... صرف ہم سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا ہے...'' انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

''تب پھر... ان حالات میں جمشید! ہمیں برٹائن جانے کی کیا ضرورت ہے، ہم ان کا یہاں والا ہیڈ کوارٹر تباہ کر چکے ہیں... برٹائن والے ہیڈ کوارٹر کا سراغ لگانا ہمارے لیے آسان نہیں ہوگا.... غیر ملک وہ بھی غیر مسلموں کے ملک میں ہمیں وہ آسانیاں میسر نہیں ہوں گی.. لہذا ہم وہاں کیوں جائیں۔''

''اور ہمارا مہمان۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اوہ! ہاں! اسے تو ہم بھول ہی گئے۔'' خان رحمان بولے۔

''لہذا جانا ہوگا۔''

''میرا خیال ہے، ہم غلط رخ سے سوچ رہے ہیں۔'' فرزانہ کی آواز سنائی دی

''کیا مطلب! یہ غلط رخ کہاں سے نکل آیا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''یہ دیکھیے۔ اب میں نے اس زنجیر کو غور سے دیکھا ہے... یہ بلیک گولڈ تنظیم کی نہیں ہے... ہاں اس کی نقل ضرور ہے۔''

''کیا مطلب؟'' انسپکٹر جمشید حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اب انھوں نے زنجیر کو غور سے دیکھا، پھر بولے۔

''اس میں شک نہیں کہ یہ بلیک گولڈ کی نہیں ہے، لیکن اس کی نقل ضرور ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیوں، اس کی کیا ضرورت تھی، انھیں یہاں نقلی زنجیر چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''تا کہ ہم اس کو اصلی خیال کر کے فوراً ان کے تعاقب میں برٹائن پہنچ جائیں اور وہاں جاتے ہی ان کے جال میں پھنس جائیں۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''اوہ... اوہ۔'' ان کے منہ سے نکلا۔

''اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ وہاں ہمارے لیے جال تیار ہے۔''

''اور اسی خیال سے میں نے کہا تھا، ہم وہاں کیوں جائیں۔''

''ہمیں اپنے مہمان کے لیے جانا ہوگا، ورنہ مہمان کیا خیال کرے گا... آخر اسے ہمارے گھر سے اغوا کیا گیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

''مطلب یہ کہ ہمیں جانا ہوگا، ان کے جال میں پھنسنا ہوگا... میں یہ خبر سنانے ہسپتال جا رہی ہوں.... تا کہ محمود اور فاروق بھی جانے کے لیے پر تول سکیں۔''

''پر تو وہ اس صورت میں تولیں گے نا جب ہوش میں آ چکے ہوں گے۔''

''اللہ نے چاہا تو ہوش میں بھی آ ہی جائیں گے.... میں تو چلی۔''

''خیر تو ہے... تم وہاں جانے کے لیے بہت بے چین ہو۔'' خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

''میں وہاں نہیں.... برٹائن جانے کے لیے بے چین ہوں... یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ وہاں ہمارے لیے کس قسم کا جال تیار ہے۔''

''تب پھر ہسپتال جا کر تم کیا کرو گی۔''

''جو کام ڈاکٹر حضرات کی دوائیں نہیں کر سکیں، میں وہ کام اپنی باتوں سے لوں گی۔''

''بے ہوش آدمی باتیں نہیں سن سکتے۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

''میں ان کے لاشعور میں باتیں پہنچاؤں گی۔''

''اچھی بات ہے، ہم بھی پھر جہاز پر سیٹیں بک کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

فرزانہ سیدھی ہسپتال پہنچی۔ دونوں بے ہوش تھے، وہ ان کے

پاس بیٹھ گئی اور لگی ان سے باتیں کرنے، بالکل اس طرح جیسے وہ سن رہے ہوں۔

''دیکھو محمود، فاروق بس بہت بے ہوش ہو لیے، اتنی بھی کیا بے ہوشی، دیکھو ہوش میں آ جاؤ... ہمیں برٹائن کے سفر پر روانہ ہونا ہے، وہاں ہمارے لیے جال بچھایا جا چکا ہے، ان لوگوں کو یقین ہے کہ ہم وہاں ضرور آئیں گے اور ان کے جال میں ضرور پھنسیں گے... دیکھو... آنکھیں کھول دو، ہمیں آخر ان کے یقین پر پورا اترنا ہے... تم ہوش میں آتے ہو یا میں دوں ایک ایک گھونسہ کن پٹی پر۔

ایسے میں فاروق نے ایک آنکھ کھولی پھر بند کر لی۔ اسی وقت محمود نے دونوں آنکھیں کھول دیں۔

''بہت خوب! اس کا مطلب ہے، تم ہوش میں آ چکے ہو... میری بات سن رہے ہونا... بولو... جواب دو... یا کم از کم سر ہی ہلا دو۔''

انھوں نے سر ہلا دیے...

''اچھا سنو... مکمل طور پر ہوش میں آنے سے پہلے ہی ساری تفصیل سنا دوں اس طرح وقت بچ جائے گا...''

اس نے یہ کہ کر تفصیل سنا دی... جونہی اس نے تفصیل مکمل کی.. دونوں نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔

''تو... تو کیا واقعی ہم سفر پر جا رہے ہیں۔''

''ہاں بہت دھوم دھام سے پھنسنے جا رہے ہیں۔''

''تب پھر ہم بے ہوش رہ کر کیا کریں گے... آؤ چلیں۔''

یہ کہتے ہوئے محمود اٹھ کھڑا ہوا، فاروق نے بھی اٹھنے میں دیر نہ لگائی، جب وہ ان کے ساتھ گھر پہنچی تو انسپکٹر جمشید بھی خان رحمان اور پروفیسر داؤد کے ساتھ آ چکے تھے۔ وہ انھیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔

''یہ... یہ کیسے ہو گیا۔''

''جی... کک... کیا کیسے ہو گیا۔''

''یہ ہوش میں کیسے آ گئے اتنی جلدی۔''

''میری باتوں نے ان کی بے ہوشی پر کاری ضرب لگائی ہے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

''دیکھو! ہماری بے ہوشی کو کچھ نہ کہنا، ورنہ ہم پھر سے اس کو گلے لگا لیں گے۔'' فاروق نے برا مان کر کہا۔

''کیسے گلے لگا لو گے۔'' پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں بولے۔

''جی بے ہوشی کو۔'' فاروق بولا۔

اور وہ برے برے منہ بنانے لگے، اسی شام وہ برٹائن کے ائیر پورٹ پر اتر رہے تھے۔ وہ باہر نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔

''ہوٹل المارا۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''جی... کیا مطلب؟'' وہ زور سے چونکا۔

''کیوں بھئی... کیا ہوا؟''

''جی.... جی کچھ نہیں۔'' یہ کہ کر وہ لگا گاڑی آگے بڑھانے۔

''ایک منٹ ابھی آپ نہیں چلیں گے۔'' انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

اس نے انجن بند نہ کیا اور ان کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

''آپ میرے منہ سے ہوٹل المارا کا نام سن کر چونکے کیوں تھے۔''

''نہیں سر... کوئی بات نہیں۔''

''خوب! کوئی بات ہے بھی نہیں اور چونکے بھی تھے۔'' انسپکٹر جمشید کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"تمہیں کیا ہدایات دی گئی ہیں۔"

اس کا رنگ اڑ گیا۔ آخر اس نے کہا۔

"یہ کہ آپ لوگ چاہے کسی بھی ہوٹل میں جانا چاہیں، آپ کو ہوٹل المارا پہنچا دیا جائے۔"

"اوہ... اوہ۔"

ان کے منہ سے نکلا۔

خبردار

"ٹیکسی روک لیں۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ ٹیکسی آگے بڑھا دی...

"میں نے کہا ہے، ٹیکسی روک لیں۔" وہ بولے۔

"ٹیکسی تو اب ہوٹل المارا جا کر رکے گی جناب۔" آخر اس نے کہا۔

"دیکھ لو بھائی... ایسا نہ ہو یہ پہلے ہی رک جائے۔" فاروق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"آپ اپنی کوشش کر کے دیکھ لیں۔"

"اچھی بات ہے... شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا، پھر اپنے پستول کی نال اس کی گدی پر رکھ دی:

"یہ جو چیز گدی میں چبھ رہی ہے، پستول کی نال ہے۔"

"یہ جان کر خوشی ہوئی... گولی چلا دیں.. کوئی پروا نہیں۔"

"یار تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔"

"برٹائن کی مٹی کا ہوں، یہیں پیدا ہوا تھا۔" وہ ہنسا۔

"خوب خوب! نام کیا ہے جناب کا۔" محمود نے فوراً پوچھا۔

''ٹام شا۔''

''مسٹر ٹام شا! صرف اتنا بتادیں کہ آپ کو یہ ہدایت کس نے دی تھی۔''

''یہ ٹیکسی ہوٹل المارا کی ہے۔''

''اوہ... اس کا مطلب ہے، ہوٹل کے مالک یا منیجر نے آپ کو یہ ہدایت دی تھی۔''

''آپ جو جی چاہے سمجھ لیں۔ اس سے ان کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔''

''خیر سمجھ لیں گے، ہمارا کیا جاتا ہے۔'' فاروق نے فوراً کہا۔

''کیا سمجھ لیں گے۔'' محمود نے فوراً بولا۔

''جو جی چاہے گا... سمجھ لیں گے، آپ نے یہی تو کہا ہے۔'' فاروق بولا۔

اس کا منہ بن گیا۔

''لیکن آپ نے ہمیں پہچانا کیسے۔''

''آپ لوگوں کی تصاویر دی گئی تھیں۔''

''اوہ... اوہ... گویا تمام انتظامات پہلے سے کر رکھے ہیں۔''

''ہاں! آپ ہمارے مہمان ہیں، ہوٹل المارا میں آپ کا شان دار استقبال ہوگا۔''

''کیا واقعی۔''

''ابھی آپ دیکھ ہی لیں گے۔''

''لیکن ہم وہاں نہیں جانا چاہتے۔''

''یہ تو خیر نہیں ہوسکتا۔''

''آپ غلط کہتے ہیں... ہمارے ہاں یہ بات نہیں کہی جاتی، بلکہ اور ہی جملہ بولا جاتا ہے۔'' فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

''کیا مطلب؟.... میں سمجھا نہیں۔''

''ہم کہتے ہیں، ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہوسکتا۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''پتا نہیں۔''

''کیا پروگرام ہے جمشید... کیا ہم ہوٹل المارا چل رہے ہیں۔''

''جی.. جی ہاں! میں نے بھی اب اپنا پروگرام ان کے پرگرام کے عین مطابق کر دیا ہے۔''

''ہاہاہا۔'' ٹام شا۔

ادھر انسپکٹر جمشید نے اس کی گدی سے پستول کی نال ہٹالی، اس کی ہنسی میں اور اضافہ ہوگیا۔'' آخر خدا خدا کر کے اس کی یہ شیطانی ہنسی رکی۔

''پروگرام کیا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے سرسری انداز میں کہا۔

''بڑے جانیں... ہم لوگ تو حکم سن کر تعمیل کرنے والے ہیں۔''

''اوکے... اب ہم تم سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔''

اور پھر ٹیکسی ہوٹل المارا کے سامنے رکی... وہ ایک بہت بڑا اور حد درجے شان دار ہوٹل تھا... جونہی ٹیکسی رکی... بیروں کی فوج ان کی طرف لپکی... پہلے تو نزدیک پہنچ کر ان سب نے انھیں فوجیوں کے انداز میں سلوٹ کیا، پھر ان کا سامان اٹھالیا اور انھیں بہت ادب اور احترام کے ساتھ لے چلے... یہاں تک کہ وہ دروازہ عبور کر گئے۔ ہوٹل کے صحن میں انھیں ایک لمبے قد کا آدمی استقبال کے لیے تیار کھڑا نظر آیا، وہ فوراً آگے لپکا اور پر جوش انداز میں بولا:

"خوش آمدید! ہم اپنے معزز مہمانوں کے راستے میں آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں۔ امید ہے آپ کا سفر خوش گوار رہا ہوگا۔"

یہ الفاظ اس نے صاف ستھری اردو میں کہے، گو شکل صورت سے وہ انگریز لگتا تھا۔

"آپ کی تعریف؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا، کیونکہ ان کا تو خیال تھا، انھیں کسی ایسی جگہ لے جایا جائے گا، جہاں ان کے دشمن پہلے سے تاک میں بیٹھے ہوں گے، لیکن یہاں تو ان کا استقبال ہو رہا تھا۔

"تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا، ویسے خادم کو التورانیو کہتے ہیں۔"

"مسٹر التورانیو! آپ کا اس ہوٹل میں کیا مقام ہے۔"

"خادم اس ہوٹل کا منیجر ہے۔"

"ہمیں یہاں جس انداز سے لایا گیا، وہ سمجھ میں نہیں آیا۔" وہ بولے۔

"کیا آپ کو یہاں تک آنے میں تکلیف ہوئی..." یہ کہتے وقت اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے فوراً ہاتھ میں پکڑا ایک بٹن دبایا۔ فوراً ہی ایک بیرا ان کی طرف دوڑ کر آیا:

"کیا حکم ہے سر۔"

"ٹیکسی ڈرائیور جو انھیں لایا ہے، اسے بلاؤ جلدی۔" پھر وہ ان کی طرف مڑا۔

"آپ فی الحال یہیں تشریف رکھیے۔"

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ جلد ہی ڈرائیور ہانپتا کانپتا ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ التورانیو نے ایک قہر بھری نظر اس پر ڈالی اور گرجا:

"مہمانوں کو تم سے شکایت کیوں ہوئی جے گور... تم اسی وقت ملازمت سے فارغ ہو... بھاگ جاؤ یہاں سے، ورنہ بیرے اٹھا کر سڑک پر پھینک دیں گے اور ٹیکسی کی طرف نہ جانا، اس میں تمہاری کوئی چیز ہو تو میرا آدمی نکال کر تمہیں دے گا۔"

"ن نہیں سر.. معاف کر دیں..."

"اس قدر سخت سلوک کی ضرورت نہیں مسٹر التورانیو! ہم تو صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ..."

ایسے میں ہال کے آخر میں لٹکا پردہ بے ترتیب انداز میں اٹھا اور دو آدمی بری طرح لڑتے ہوئے ان کی طرف آنے لگے۔ ان میں سے ایک سیاہ فام تھا، جب کہ دوسرا گورا۔ وہ وحشی جانوروں کی طرح لڑ رہے تھے۔

"خبردار! یہ کیا بدتمیزی ہے۔"

"سر! اس نے مجھے کالا کہا ہے... میں اسے آج زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"اور سر! اس نے مجھے نیلو کہا ہے... میں بھی آج اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"خوب خوب... مارو ایک دوسرے کو... خوب مارو... ہم اپنے ہوٹل کے گاہکوں کو آج بہترین تفریح دکھائیں گے۔ اصل تفریح... اصل لڑائی۔" التورانیو نے چہک کر کہا۔

"جی... کیا مطلب؟" ان دونوں کو ایک جھٹکا لگا، لڑنا بھول گئے۔

"رک کیوں گئے... لڑتے کیوں نہیں، بھول گئے، اس نے تمہیں کالا کہا ہے اور اس نے تمہیں نیلو کہا ہے... مارو.. مارو ایک دوسرے کو.. تم میں سے جو دوسرے کو گرانے میں کامیاب ہو جائے، میں سو ڈالر انعام دوں گا اسے۔"

"کیا!!! وہ پوری قوت سے چلائے۔

"ہاں! پورے سوڈالر... اب بھی ایک دوسرے کو مارو گے یا نہیں۔"

"ضرور ماروں گا... سوڈالر کے لیے تو میں اس کا خون پی جاؤں گا۔"

"میں بھی اسے ماروں گا، سوڈالر کے لیے تو میں اس کی کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"باتیں نہ کرو... کچھ کر کے دکھاؤ۔"

پھر وہ ڈرائیور کی طرف مڑا.... لیکن ڈرائیور تو وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔"

"یہ کہاں چلا گیا۔"

"سر وہ کھسک گیا۔" ایک بیرا انگریزی میں بولا: جب کہ التورانیو بدستور اردو میں بات کر رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اردو اس کی مادری زبان ہو۔

ہال میں موجود لوگوں کی نظریں اب ان دونوں پر تھیں اور وہ بری طرح ایک دوسرے پر حملے کر رہے تھے۔

"کیا اس لڑائی کے سلسلے میں قانون دخل نہیں دے گا۔"

"قانون کے محافظ اس وقت تک ہوٹل میں نہیں آسکتے جب تک کہ ہم خود انھیں فون نہ کریں۔"

"اوہ اچھا... لیکن اگر یہاں کوئی قتل وغیرہ ہو جاتا ہے تو کیا اس صورت میں بھی قانون کے محافظ نہیں آئیں گے۔"

"انھیں اطلاع دیں گے تو آئیں گے نا۔" وہ مسکرایا۔

ایسے میں کوئی چیخا:

"خبردار! اگر ٹومی کو کچھ ہوا تو میں راجر کو نہیں چھوڑں گا۔"

آواز پردے کے پیچھے سے آئی تھی۔

خونی مقابلہ

انھوں نے اس طرف دیکھا۔ ایک اور لمبا چوڑا اور خوفناک شکل والا سیاہ فام آتا نظر آیا۔

"یہ... یہ یہاں کیا ہو رہا ہے، ان لوگوں کا پروگرام تو خون خرابے کا لگتا ہے۔" پروفیسر داؤد نے گھبرا کر کہا۔

"کچھ بھی ہو ان لوگوں کی وجہ سے ہمارا استقبال خاک میں مل گیا۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"لڑنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ہال میں موجود کسی دلیر کو للکارو۔" التورانیو نے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ان دونوں کی لڑائی بند کرا دیں... ٹومی کے جسم پر زخم آیا تو میں برداشت نہیں کرسکوں گا، راجر کو مار مار کر ادھ موا کر دوں گا۔"

"تم نے سنا... ٹومی... تمہارا بھائی کیا چاہتا ہے... بس ہاتھ روک لو اور راجر تم بھی رک جاؤ۔"

"لیکن... وہ... سوڈالر۔"

''ڈنگو اگر جیت گیا تو سو ڈالر تمھیں اور سو ڈالر ڈنگو کو دے دیے جائیں گے۔''

یہ سن کر تیسرا بے ساختہ ہنسا، پھر بولا:

''ٹھیک ہے باس، منظور ہے۔''

وہ دونوں یک دم رک گئے اور پردے کی طرف دوڑ لگائی۔ جیسے اپنا پارٹ ادا کرنے کے بعد فارغ ہو گئے ہوں۔

''یہ سب ڈراما کیا جا رہا ہے۔'' فرزانہ بڑبڑائی۔

''لیکن اس کا مقصد کیا ہے۔'' محمود نے الجھن کے عالم میں کہا۔

''اب تک سمجھ میں نہیں آیا۔'' فرزانہ بولی۔

''اور اس التورانیو کو تو دیکھو۔ ہمیں تو جیسے بھول ہی گیا ہے... کہاں ہمارا استقبال ہو رہا تھا۔''

عین اس لمحے دروازے پر عجیب سے ساز بجائے گئے، وہ سب چونک کر دروازے کی طرف مڑے... کسی نے چونک کر کہا۔

''ارے یہ کیا... معزز مہمان تو اب آئے ہیں.. تب پھر.... پہلے جو لوگ آئے، وہ کون تھے۔''

انھوں نے التورانیو کے چہرے پر عجیب سی جھلاہٹ محسوس کی، پھر اس نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

''تب پھر آپ لوگ کون ہیں۔''

اس وقت تک۔'' وہ ان کے سروں پر پہنچ چکا تھا۔

''ہم... تت... تو کیا.. کسی اور کے دھوکے میں ہمارا استقبال ہو گیا ہے۔''

''ہاں! آنا ان حضرات کو تھا۔''

''لیکن بہرحال ہم بھی آپ کے ہوٹل کے گاہک تو ہیں نا۔''

''وہ اور بات ہے... خیر... اب تو جو ہونا تھا، ہو گیا۔''

یہ کہ کر منیجر نئے مہمانوں کی طرف بڑھا۔ انھوں نے دیکھا.... ان کی تعداد اور عمروں میں کوئی فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان میں بھی ایک لڑکی، دو لڑکے، باقی تین مرد تھے۔ ان میں ایک بالکل بوڑھے تھے۔

''یہ... یہ کہیں کامران مرزا تو نہیں ہیں۔'' فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

''نہیں خیر... یہ وہ لوگ تو نہیں ہیں... خیر دیکھا جائے گا۔''

اب ان لوگوں کا پرجوش انداز میں استقبال کیا گیا۔

''یہ لوگ ایک ریاست کے والی ہیں۔'' التورانیو نے ان کے نزدیک آ کر کہا۔

''او ہو اچھا... لیکن پھر ٹیکسی ڈرائیور کو یہ ہدایات کیوں دی گئی تھی کہ ہم کہیں بھی جانا چاہیں تو بھی ہمیں ہوٹل المارا ہی لایا جائے۔''

''اس کا دماغ چل گیا تھا... میں نے ایسی کوئی ہدایات نہیں دی تھی۔'' وہ بولا

''خیر کوئی بات نہیں.. ہم بھی اب اسی ہوٹل میں ٹھہریں گے۔''

''میرے لیے کیا حکم ہے باس؟'' ڈنگو نے پوچھا۔

''دیکھ لو... اگر کوئی تم سے مقابلے کے لیے تیار ہو تو ٹھیک، ورنہ پھر میں تم سے لڑوں گا۔''

''کیا کہا... آپ نے... آپ مجھ سے لڑیں گے، نہیں نہیں... یہ میرے بس کا روگ نہیں۔'' وہ چلا اٹھا۔

"چلو پھر انھیں للکار کر دیکھ لو.... ان میں سے کوئی نہ نکلا تو پھر تمہیں ہمارے ایک قیدی سے لڑنا ہوگا۔"

"منظور۔" اس نے فوراً کہا پھر ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تمام لوگوں سے بولا

"آپ میں سے کوئی مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے... اس مقابلے پر سو ڈالر کا انعام مقرر ہے۔ واضح ہو کہ میں جوڈو کراٹے اور مارشل آرٹ وغیرہ کا ماہر ہوں، بلکہ ان سے بھی دو ہاتھ آگے ہوں۔"

ہوٹل کے گاہکوں میں سے کوئی کچھ نہ بولا... ڈنگو کا ڈیل ڈول ہی ایسا تھا... ان حالات میں فرزانہ نے سرگوشی کی۔

"ابا جان! کیا آپ اس سے مقابلہ نہیں کریں گے۔"

"کیا ضرورت ہے.... ہم ان کے اس کھیل میں کیوں کودیں، شاید ہوٹل ایسے مقابلوں کے لیے مشہور ہے، دوسرے یہ کہ اگر میں مقابلے میں آ گیا تو شاید ہم اس قیدی کو نہ دیکھ سکیں.. جب کہ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں.... ہمارا اس قیدی سے کیا تعلق ہے۔"

"کچھ نہیں کہہ سکتا..."

"نہیں ڈنگو... ان حضرات میں سے کوئی تمہارے مقابلے پر آنا نہیں چاہتا.. اب ہمیں قیدی سے لڑنا ہوگا.. تم اس سلسلے میں تیار ہو۔"

"کیوں نہیں باس! آپ سو ڈالر کا انعام تیار رکھیں۔"

"فکر نہ کرو، پہلے ہم سپیکر پر اعلان کریں گے... تاکہ اور لوگ بھی مقابلہ دیکھ سکیں۔ اس قسم کے مقابلوں سے ہوٹل کی آمدنی میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے... کیونکہ فلموں اور ڈراموں میں تو فرضی لڑائیاں ہوتی ہیں، دوسرے عام

مقابلوں میں بھی ملی بھگت ہوتی ہے، لیکن سارا شہر جانتا ہے، ہمارے ہوٹل میں بالکل سچی لڑائیاں ہوتی ہیں۔ مقابلہ کرنے والے دو میں سے ایک کو مرنا پڑتا ہے۔"

"کیا کہا۔" انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

سب لوگ انھیں گھورنے لگے۔

"آپ کو کیا ہوا، آپ اس طرح کیوں چلائے۔"

"یہ... یہ کیسے ہوسکتا ہے، آپ خود سوچیں... ایسے مقابلوں کی حکومت کیسے اجازت دے سکتی ہے بھلا۔"

"ہم نے اس کے لیے باقاعدہ لائسنس حاصل کیا ہے... لڑنے والوں کو بھاری معاوضہ دیتے ہیں۔"

"اور مرنے والا کس کھاتے میں جاتا ہے۔"

"اگر وہ جیت جاتا ہے تو اس کی انعامی رقم اسے دے دی جاتی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی، مرنے والا جیت کیسے جاتا ہے، اس کی موت تو اس کی شکست کا ثبوت ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہاں کے قواعد ذرا مختلف ہے... اور میرے پاس اس کو سمجھانے کا وقت نہیں۔ ابھی آپ دیکھ ہی لیں گے۔"

اس کے بعد سپیکر پر خونی مقابلے کا اعلان ہونے لگا۔ لوگ تیزی سے ٹکٹ لے کر اندر آتے نظر آئے، یہ اس ہوٹل کی مشہور تفریح تھی۔

جلد ہی پورا ہال بھر گیا... ڈنگو بدستور میدان میں کھڑا تھا... اس وقت منیجر نے بلند آواز میں کہا۔

"قیدی کو لایا جائے۔"

اور پھر رسیوں سے بندھے ایک شخص کو پردے کے پیچھے سے

سامنے لایا گیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح اچھلے۔ مارے خوف اور حیرت کے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی بلند آواز گونج اٹھی۔

مقابلے پر مقابلہ

"یہ ناانصافی ہے، ظلم ہے۔"

سب لوگ بری طرح چونکے اور ان کی طرف مڑ مڑ کر دیکھنے لگے۔ منیجر کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے:

"آپ جب سے آئے ہیں، دخل دیے جا رہے ہیں... اگر آپ خاموش نہیں بیٹھ سکتے تو اپنے کمروں میں چلے جائیں.... بیرے آپ کو ان تک پہنچا دیں گے۔"

"میں نے کہا ہے... یہ ناانصافی ہے، ظلم ہے۔"

ادھر قیدی ان کی آواز سن کر بری طرح اچھلا تھا.... لیکن اس کو اچھلتے کوئی نہ دیکھ سکا، اس لیے کہ سب کی توجہ تو انسپکٹر جمشید کی طرف تھی۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں آخر آپ۔" وہ چلایا۔

"ایک قیدی... جسے رسیاں باندھ کر رکھا گیا ہے، معلوم نہیں اسے کب سے کھانے پینے کے لیے بھی نہیں دیا گیا۔ اس کا مقابلہ اتنے طاقت ور آدمی سے کرایا جا رہا ہے، یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔"

"ڈنگو ہال میں موجود سب لوگوں کو للکار چکا ہے، اس کے مقابلے میں آنے

کی کسی میں جرآت نہیں تو میں کیا کروں.... ڈنگو کا مقابلہ کسی نہ کسی سے تو آخر کرایا جائے گا.... ڈنگو اس ہوٹل کا پہلوان ہے.... اس قسم کے مقابلے یہاں ہفتے میں ایک بار ضرور ہوتے ہیں اور ان مقابلوں کو بڑے بڑے سرکاری افسر تک شوق سے دیکھتے ہیں... اب اگر گاہکوں میں سے کوئی مقابلے پر آسکتا ہے تو آجائے۔ ہم ڈنگو کا مقابلہ قیدی سے نہیں کرائیں گے۔''

''مقابلے کی شرائط کیا ہیں۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''یہاں پوائنٹس پر جیت اور ہار کا فیصلہ ہوتا ہے، ریفری باقاعدہ پوائنٹس کا ساتھ ساتھ اعلان کرتے ہیں... جیسے باکسنگ کے مقابلے ہوتے ہیں، اُن مقابلوں میں اور ان مقابلوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں زندگی اور موت تک لڑائی جاری نہیں رہتی... جب کہ یہاں ایک کو مرنا ہوتا ہے؟''

''اوہ... اوہ۔'' وہ گھبرا گئے۔

''بس! ساری بہادری ہوا ہو گئی۔''

''نہیں.... بہادری ہوا نہیں ہوئی... البتہ چوکڑیاں بھر رہی ہے۔'' فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

''جیتنے والے کو کیا ملتا ہے۔''

''ایک لاکھ ڈالر۔''

''اور ہارنے والے کو۔''

''کچھ نہیں۔''

''او کے... قیدی کے بجائے ڈنگو سے مقابلہ میں کروں گا... لیکن شرط ایک ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ عجیب سے انداز میں مسکرائے۔

''وہ کیا''

''قیدی کو رہا کر دیا جائے اور اسے ہمارے ساتھ بٹھا دیا جائے۔''

''ہمیں قیدی کا اچار نہیں ڈالنا... یوں بھی اس مقابلے میں اسے مرنا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ مر چکا ہے... جاؤ قیدی.. تم آزاد ہو... تمہاری جگہ یہ گاہک موت کو گلے لگائے گا۔''

''ارے باپ رے... اس قدر خوفناک جملے تو نہ بولیں منیجر صاحب۔'' فاروق نے کانپ کر کہا۔

''خوفناک مناظر دیکھنے کو ملیں گے، تم کہ رہے ہو خوفناک جملے نہ بولیں۔'' اس نے تلملا کر کہا۔

''اگر ڈنگو ہار جاتا ہے تو؟'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

''اس صورت میں میں آپ سے لڑنے کے لیے میدان میں آؤں گا۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔''

''کیا ضروری نہیں۔''

''یہ کہ آپ وہ مقابلہ کریں... قانون کی رو سے آپ جیت چکے ہوں گے، اب میں آپ کو للکاروں گا ضرور، یہ آپ کی مرضی ہوگی، آپ مقابلہ کریں یا نہ کریں، لیکن آپ کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔''

''بہت خوب! تب تو لطف رہے گا...'' محمود کے منہ سے نکلا۔

اس کے جملے کی طرف کسی تماشائی نے توجہ نہ دی...

''ٹھیک ہے۔ پہلے ڈنگو سے تو مقابلہ ہو جائے... مجھے نہیں معلوم، ڈنگو کتنے پانی میں ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

فاروق نے فوراً فرش کی طرف دیکھا جیسے دیکھنا چاہتا ہو، وہ کتنے پانی میں ہے۔

’’ڈنگو ہمارے ہوٹل کا بہترین لڑاکا ہے، آج تک یہ ایک مقابلہ بھی نہیں ہارا اور نہ یہ ہارے گا۔‘‘

’’کک مطلب... کیا آج تک جتنے لوگوں سے ڈنگو نے مقابلہ کیا ہے، وہ سب کے سب مارے جا چکے ہیں۔‘‘

’’نہیں کچھ لوگ موت سے پہلے ہار مان لیتے ہیں، انھیں چھوڑ دیا جاتا ہے، مارا وہ جاتا ہے جو اپنی ہار نہیں مانتا اور اب تک صرف تین افراد نے ہار نہیں مانی اور وہ مارے گئے۔‘‘ التورانیو نے بتایا۔

’’میں سمجھ گیا، لیکن کیا آپ ڈنگو سے بڑے لڑاکے ہیں۔‘‘

’’اس شہر کا سب سے ماہر لڑاکا میں ہوں۔ ڈنگو میرے ہاتھ سے شکست کھا کر ہی یہاں ملازم ہوا تھا۔‘‘

’’مطلب یہ کہ اس نے موت سے پہلے ہار مان لی تھی۔‘‘

’’ہاں! لیکن صرف میرے مقابلے پر۔‘‘ اس نے کہا۔

’’تمام سوالات کے جوابات مل گئے... اب میں ایک اعلان کرتا ہوں.... ڈنگو کا مقابلہ میں نہیں کروں گا، بلکہ میری پارٹی کا سب سے کمزور انسان مقابلہ کرے گا۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘

’’فرزانہ کھڑی ہو جاؤ اور میدان میں جا کر ڈنگو کے سامنے ڈٹ جاؤ۔‘‘

اس وقت قیدی ان کے ساتھ بیٹھ چکا تھا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے انھیں دیکھ رہا تھا... انھوں نے جواب میں کئی بار اسے مسکرا مسکرا کر دیکھا.... لیکن منہ سے کچھ نہیں بولے، وہ نہیں چاہتے تھے، تماشائیوں کو ان کے آپس کے تعلقات کا پتا چلے۔‘‘

’’اب فرزانہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ بہت سے لوگ اسے دیکھ کر ہنس پڑے۔

’’اس میں ہنسی کی کیا بات؟‘‘ انسپکٹر جمشید نے بھنا کر کہا۔

’’آپ ڈنگو سے اسے لڑائیں گے... ہمارے خیال میں تو یہ فیصلہ دانش مندانہ نہیں۔‘‘

ہال میں کسی نے کہا۔ اس وقت ہال میں ہزاروں لوگ موجود تھے اور یہ سب ٹکٹ خرید کر اندر آئے تھے، ٹکٹ بھی لازمی بات ہے، بہت زیادہ ہوگا، آخر زندگی اور موت کا کھیل دکھایا جاتا تھا، جیتنے والے کو بڑا انعام بھی دیا جاتا تھا۔

’’وہ کیسے جناب! انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

’’یہ بچی تو ڈنگو کی ایک انگلی کی مار بھی نہیں۔‘‘

’’ہو سکتا ہے، یہی بات ہو، لیکن جب تک دونوں آمنے سامنے نہیں آ جاتے اس وقت تک بھلا آپ کیسے کچھ کہہ سکتے ہیں۔‘‘

’’کیوں نہیں کہہ سکتے... کیا ہم اندھے ہیں ہم دیکھ نہیں سکتے اور کیا ہم پہلے ڈنگو کو لڑتے ہوئے نہیں دیکھ چکے۔‘‘

’’جب آپ کو سب کچھ معلوم ہے، تب پھر صبر کریں، مقابلہ ابھی شروع ہو جاتا ہے۔‘‘

’’یہ مقابلہ شاید اس ہوٹل کی تاریخ کا انوکھا ترین مقابلہ ہوگا... ہم اس کو ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ کہہ سکتے ہیں۔‘‘ کسی اور نے کہا۔

’’تب پھر اس کا ایک حل ہے۔‘‘ ایک اور آواز ابھری۔

’’اور وہ کیا۔‘‘ بہت سے لوگ بول اٹھے۔

’’یہ کہ مسٹر التورانیو اس لڑکی کا مقابلہ اپنے کسی عام پہلوان سے کرا لیں۔‘‘

’’ہاں ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔‘‘

اب سب کی نظریں التورانیو پر جم گئیں۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں... ڈنگو تم ہٹ جاؤ... شیلاک مقابلہ کرے گا، شیلاک کے لیے بھی یہ لڑکی ایک ہاتھ کی مار ثابت ہوگی۔''

''او کے باس، لیکن اس طرح میرا انعام تو مارا گیا۔'' ڈنگو نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

''شیلاک! تم انعام میں ڈنگو کو حصے دار بنالو۔''

''کوئی اعتراض نہیں باس۔'' وہ ہنسا۔

اور پھر فرزانہ کے سامنے آکھڑا ہوا، اس کا ڈیل ڈول بھی بہت تھا... فرزانہ اس کے مقابلے میں ایک ننھی منی سی گڑیا نظر آرہی تھی۔

''یہ لڑکی کس قسم کی لڑائی جانتی ہے۔'' شیلاک نے پوچھا۔

''آپ پوری طرح آزاد ہیں، جس طرح سے اور جس فن میں مقابلہ کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں، ہم کوئی اعتراض نہیں کریں گے، دھوکے سے وار کرنا چاہیں تو بھی ہم کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔''

''یہ آپ نے کیا کہہ دیا.... شیلاک دھوکے سے وار کرنے کا بہت ماہر ہے، مثلاً محسوس تو یہ ہوگا کہ یہ سر پر وار کر رہا ہے، لیکن اس کا وار پڑے گا ٹانگ پر یا کمر پر... اور کمر پر یہ ہمیشہ ریڑھ کی ہڈی پر وار کرتا ہے۔'' ایک تماشائی نے جلدی جلدی کہا۔

''ہم آپ کے شکر گزار ہیں.... تم نے سن لیا میری بچی۔''

''جی سن لیا، یہ ریڑھ کی ہڈی پر وار کرنے کے ماہر ہیں اور دھوکے سے بھی وار کرتے ہیں۔''

''چلیے مسٹر ڈنگو... ہو جائے پھر مقابلہ شروع۔''

''واضح رہے، اس مقابلے کے کوئی راؤنڈ وغیرہ نہیں ہوں گے، یہ ہر طرح آزادانہ ہوگا، دونوں لڑنے والے کسی بھی طرح مقابلہ کر سکتے ہیں، کسی بھی طرح وار کر سکتے ہیں اور شیلاک! ایک بات میں بھی تم سے کہنا چاہتا ہوں۔''

''اور وہ کیا باس۔''

''ان لوگوں نے جو اس بچی کو مقابلے میں لا کھڑا کیا ہے تو ضرور اس میں کوئی بات تو ہوگی... لہذا ہوٹل کی عزت کا معاملہ ہے.... سوچ سمجھ کر لڑنا، یہ نہیں کہ مقابلے میں ایک بچی ہی تو ہے... یہ کیا بگاڑے گی...''

''میں سمجھتا ہوں باس! آپ فکر نہ کریں۔''

ایسے میں محمود کی پیشانی پر بل پڑ گئے، اس کی نظریں ایک بیرے پر جم گئیں۔ وہ بیرا عجیب وغریب سی حرکات کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ مسلسل حرکت میں تھے، چنانچہ وہ فوراً اپنا منہ اپنے والد کے کان کی طرف لے گیا اور بہت دبی آواز میں بولا۔

''فرزانہ خطرے میں ہے ابا جان... ہمارے گرد موت کا جال بچھایا جا چکا ہے... یہ مقابلہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے۔''

انسپکٹر جمشید نے چہرے پر کوئی تاثرات ظاہر نہ ہونے دیے، صرف غیر محسوس طور پر محمود کی طرف دیکھا... اور آنکھوں میں پوچھا۔

''کیا بات ہے، تم نے کیا دیکھا ہے۔''

محمود نے اس بیرے کی طرف اشارہ کر دیا۔ انھوں نے اس کے ہاتھوں کی حرکات کو غور سے دیکھا اور پھر انھیں اپنے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑتی محسوس ہوئی.... اب وہ جان گئے کہ ہوٹل کا منیجر التورانیو اور اس کے بیرے اور دوسرا عملہ ان سے اچھی طرح واقف ہیں... اب ظاہر ہے، وہ فرزانہ کو بھی جانتے

تھے.... اس لیے وہ ایک ایسے انتظام میں مصروف تھے کہ فرزانہ پہلے ہی وار میں چت ہو جائے....

انھوں نے دیکھا.... فرزانہ اور شیلاک ایک دوسرے کی طرف قدم بڑھا چکے تھے... ان کے پاس وقت بہت کم تھا... شیلاک کا وار ہونے سے پہلے پہلے انھیں کچھ کرنا تھا... ورنہ فرزانہ کا اس دنیا سے کوچ کر جانا انھیں اب بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔

ان کا پورا جسم پسینے میں ڈوب گیا... اب وہ انتہائی وار کیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے.... کیونکہ وہ سب واقعی پوری طرح التورانیو کے جال میں تھے۔

قاتل

غیر محسوس طور پر انھوں نے جیب سے ایک چیز نکالی... ادھر انھوں نے شیلاک کا زہر آلود، قہقہہ سنا:

''ہاہاہا... یہ لڑکی... میرا دعویٰ ہے، میرا ایک وار بھی برداشت نہیں کرے گی اور ڈھیر ہو جائے گی، آپ اپنے کسی اور ساتھی کو میدان میں بھیجنے کی تیاری کر لیں۔''

''ہم پوری طرح تیار ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

ان کی طرف کسی نے نہ دیکھا، سب لوگ تو فرزانہ اور شیلاک کو دیکھ رہے تھے۔ وہ پلکیں تک نہیں جھپک رہے تھے کہ کہیں، ادھر وہ پلکیں جھپکیں، ادھر شیلاک کا وار ہو جائے اور پھر شیلاک کا ہاتھ اٹھا، ساتھ ہی وہ چھلانگ لگانے کی پوزیشن میں آ گیا۔ اب انسپکٹر جمشید کو فرزانہ پر وار ہونے سے پہلے پہلے کچھ کرنا تھا، ورنہ وقت گزر جاتا۔ فرزانہ اس کے وار سے بچنے کے لیے پر تول چکی تھی... وہ التورانیو کی سازش سے بالکل بے خبر تھی، عین اس لمحے جب شیلاک اچھلنے ہی والا تھا، ان کے ہونٹ حرکت میں آ گئے، دوسرے ہی لمحے وہ بیرا تیورا کر گرا، اور ادھر شیلاک چھلانگ لگا چکا تھا، اس نے وحشیانہ انداز میں فرزانہ کے سر پر وار کیا، لیکن وہ فرش پر لڑھک چکی

تھی، شیلاک کا وار خالی گیا۔ فرزانہ دور کھڑی نظر آئی.... تماشائیوں کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں، ادھر التورانیو کا رنگ اڑ چکا تھا۔ اچانک اس کے منہ سے نکلا:

''ارے یہ اسے کیا ہوا... ٹھہرو شیلاک۔''

شیلاک کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ ادھر فرزانہ نے چونک کر گرنے والے بیرے کو دیکھا، دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں مارے خوف کے پھیل گئیں، آن کی آن میں بات اس کی سمجھ میں آگئی... پھر اس نے ایک حیرت انگیز بات نوٹ کی اور سکتے میں آگئی۔

ادھر التورانیو بیرے پر جھک چکا تھا، دوسرے ہی لمحے وہ چلا اٹھا۔''

''ارے! یہ تو مر گیا... حیرت ہے، کمال ہے... ابھی تو اچھا بھلا کھڑا تھا۔''

''شاید! ہارٹ فیل ہوگیا۔'' ہال میں سے کسی نے کہا۔

''ہاں! ایسا ہی لگتا ہے۔ ارے مم... مگر نہیں... اس کا رنگ تو بہت تیزی سے گہرا نیلا ہوتا جا رہا ہے، یہ تو غالباً زہر کی علامات ہیں، گویا اسے زہر دیا گیا ہے، اب پولیس کو بلانا ہوگا.... کیا خیال ہے، یہ مقابلہ اب کل نہ کرا لیا جائے۔''

''نہیں نہیں۔'' مجمع چلا اٹھا۔

''اچھی بات ہے، مقابلہ ابھی ہوگا.. ہم اس کی لاش کو ایک طرف کر دیتے ہیں۔ پولیس کو فون کر دیتے ہیں.... بیرونی تمام دروازے بند کر دیے جائیں تا کہ بیرے کا قاتل فرار نہ ہو جائے۔''

''کک.... کیا کہا آپ نے بب.... بیرے کا قاتل۔'' فاروق چلا اٹھا۔

''ہاں! اسے قتل کیا گیا ہے... پراسرار طریقے سے قتل کیا گیا ہے.... لہذا پولیس آکر تفتیش کرے گی۔''

''وہ کرتی رہے تفتیش.... مقابلہ جاری رکھیں۔'' کئی لوگ چلائے۔

''اچھا اچھا... آپ فکر نہ کریں، آج یہ مقابلہ ہو کر رہے گا۔''

''میں بھی یہی کہتا ہوں۔'' فاروق مسکرایا۔

''لیکن آپ کیوں چلائے تھے۔'' التورانیو نے حیران ہو کر کہا۔

''آپ نے کہا تھا... بیرے کا قاتل... بس اس پر میں چونک اٹھا تھا..

''دراصل ہماری طرف جاسوسی ناولوں کے نام اسی قسم کے رکھے جاتے ہیں۔''

''حد ہوگئی... ہے کوئی تک اس بات کی۔''

''مم... مجھے افسوس ہے، تک تو شاید واقعی نہیں، ویسے تو مجھے یہاں کسی بات کی بھی تک نظر نہیں آ رہی۔'' فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

''ارے بھائی تک پہلے ہی کب نظر آتی ہے۔'' محمود نے گویا اسے یاد دلایا۔

''دل کی آنکھوں سے نظر آجاتی ہے۔''

''لیجیے! اب یہ دل کی آنکھوں کو درمیان میں لے آئے۔'' محمود نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

''لے آنے دو بھائی! ہمارا کیا جاتا ہے۔'' پروفیسر مسکرائے۔

''ہاں تو شیلاک... مقابلہ شروع کرو... بیرے کے اچانک گرنے کی وجہ سے تمہارا داؤ چوک گیا تھا شاید۔''

''جی... جی ہاں! بالکل یہی بات ہے۔'' اس کے لہجے سے پریشانی ٹپک

رہی تھی، شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ فرزانہ اس کے لیے تر نوالہ ثابت نہیں ہو گی جب کہ اس کا اور باقی سب کا یہی خیال تھا۔"

اب وہ کافی محتاط نظر آرہا تھا۔ مرغے کی طرح جھک چکا تھا۔ جب کہ فرزانہ اسی طرح پرسکون انداز میں کھڑی تھی۔ بہت ہی نپے تلے انداز میں اس نے فرزانہ پر چھلانگ لگائی۔ انداز ایسا تھا کہ دبوچ ہی تو لے گا... سب کو محسوس بھی یہی ہوا کہ فرزانہ اس کے ہاتھوں میں آگئی... لیکن انھوں نے دیکھا، فرزانہ ایک بار پھر دور کھڑی تھی اور شیلاک حیرت کے انداز میں منہ پھاڑے کھڑا تھا۔

"شیلاک! تمہارے دو وار خالی گئے، تیسرا اور آخری ہو گا، اگر اس میں بھی تم ناکام رہے تو تمہیں اس مقابلے سے الگ کر دیا جائے گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" ایسے میں فرزانہ بول اٹھی۔

"کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"مطلب یہ کہ یہاں جو مقابلے کرائے جاتے ہیں، وہ موت تک جاری رہتے ہیں، اب یا میں نہیں یا یہ نہیں۔"

"بالکل ٹھیک... بالکل ٹھیک۔" سارے تماشائی چلا اٹھے۔

"تم نے سنا شیلاک۔" الٹورانیو نے منہ بنایا۔

"ہاں باس سنا، آپ فکر نہ کریں، یہ کب تک میرے ہاتھ سے بچے گی، آپ یہ بھی تو دیکھیں، یہ خود مجھ پر وار کرنے کے قابل نہیں ہے، بس اپنا بچاؤ کر رہی ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہے... تب پھر جلدی کام ختم کرو، کیونکہ ابھی اس کے اور ساتھی بھی ہیں، آخر وہ بھی مقابلے پر آئیں گے اور ہمیں باری باری ان سے لڑنا ہو گا۔"

"یہ بات میں جانتا ہوں باس! بس آپ فکر نہ کریں، اطمینان سے لڑائی

دیکھیں۔"

"او کے۔"

اور پھر اس نے تیسری بار فرزانہ پر چھلانگ لگائی، اس بار اس کا انداز اور زیادہ وحشیانہ تھا، بہت خوفناک تھا اور اس میں شک نہیں وہ لڑائی میں بہت ماہر تھا اب یہ اور بات ہے کہ فرزانہ کے مقابلے میں اس کی دال گل نہیں رہی تھی۔ فرزانہ نے اس بار لوٹ نہیں لگائی، نہ دائیں اور بائیں ہوئی بلکہ اونچا اچھلی اور شیلاک کی کمر کی طرف جا کر گری۔ شیلاک بلا کی تیزی سے پلٹا اور اس نے دائیں ٹانگ پوری قوت سے گھمائی، لیکن فرزانہ تو پہلے ہی اس سے اتنے فاصلے پر پہنچ چکی تھی کہ ٹانگ اس تک نہ پہنچی، بلکہ ہوا یہ کہ اس قدر طاقت سے ٹانگ گھمانے کی وجہ سے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور فرش پر لڑھک گیا:

"اچھا موقع ہے فرزانہ مارو اسے۔" محمود چہکا۔

لیکن فرزانہ نے اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کی۔

"کیا ہوا فرزانہ... سانپ تو نہیں سونگھ گیا۔"

"سانپ تھوڑی دیر پہلے بیرے کو سونگھ گیا تھا، میری طرف نہیں آیا۔" اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ کیونکہ نظریں تو شیلاک پر جمی تھیں۔

"خوب خوب۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی تعریف کی۔

"کیا خیال ہے شیلاک! اب تمہاری بجائے ڈنگو مقابلہ کرے۔"

"نہیں باس جب تک میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں، میں لڑوں گا، ہار نہیں مانوں گا... گرنے کے بعد میں اس لڑکی کے ہاتھ سے مارا جانا پسند کروں گا۔"

"اچھی بات ہے شیلاک! میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

"لیکن باس! میرا بھائی کس طرح مارا گیا۔"

"پولیس بس آنے ہی والی ہے، وہ بہت جلد معلوم کرے گی کہ تمہارا بھائی کس طرح مارا گیا۔"

"اچھی بات ہے باس۔"

اور پھر ان میں تابڑ توڑ مقابلہ شروع ہو گیا... شیلاک فرزانہ کی طرف چھلانگ پر چھلانگ لگا رہا تھا اور وہ ہر بار اچھل اچھل کر خود کو بچا رہی تھی۔ ایک بار تو فرزانہ شیلاک کی زد میں پوری طرح آ گئی، وہ ایسی جگہ پہنچ چکی تھی، جہاں نہ دائیں طرف ہونے کی جگہ تھی نہ بائیں طرف اور نہ ہی اچھل سکتی تھی، نہ لڑھک کر ادھر ادھر ہو سکتی تھی، یہ دیکھ کر شیلاک نے دانت نکال دیے، بولا:

آخر تم میری زد پر آ ہی گئیں... اب بچنے کا کون سا راستہ ہے تمہارے پاس۔

"میں اپنے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی، البتہ تمہارے بارے میں ایک بات یقین سے کہہ سکتی ہوں۔" اس نے پرسکون آواز میں کہا۔

"اور وہ کیا۔" اس نے گردن کو جھٹکا دیا۔

"آج کا دن تمہاری موت کا دن ہے۔"

"ارے نہیں... تم اپنی خیر مناؤ۔"

یہ کہتے ہی وہ فرزانہ پر اس طرح جھپٹا جیسے باز چڑیا پر جھپٹتا ہے۔ اس بار فرزانہ نے بھی بچنے کی کوشش نہ کی، کیونکہ اس کوشش میں اسے ناکامی ہو سکتی تھی، جب شیلاک اس خیال میں رہا کہ فرزانہ اب بھی بچنے کی ہی کوشش کرے گی اور یہ کہ کمزور ہونے کی بنا پر وہ وار کرنے کی جرأت نہیں کرے گی، لیکن اس کا خیال غلط نکلا... فرزانہ نے وار بھی کیا اور بچ بھی نکلی، جونہی شیلاک اس پر گرا، وہ بھی پوری قوت سے اچھلی اور سر کی ٹکر اس کی ٹھوڑی پر دے ماری۔ یہ ٹکر فولادی ثابت ہوئی... شیلاک

زور سے الٹ کر گرا، ساتھ ہی فرزانہ نے چھلانگ لگائی اور اس کے اوپر سے ہوتے ہوئے دوسری طرف پہنچ گئی، پھر فوراً پلٹی، شیلاک ابھی تک اس صدمے سے نکل نہیں پایا تھا، لہذا اٹھنے کی کوشش کیا کرتا... اس حالت میں فرزانہ کے پاؤں کی زبردست ٹھوکر اس کے سر پر پڑی... فرزانہ نے اسی پر بس نہیں کی اوپر تلے دو تین ٹھوکریں دے ماریں۔ ساتھ ہی اس نے بلند آواز میں کہا۔

"کیا حکم ہے ابا جان... کیا اسے جان سے مار دوں۔"

"نہیں! ہم بلا وجہ خون بہانے کے عادی نہیں ہیں۔ البتہ اسے دوبارہ مقابلے میں آنے کے قابل نہ چھوڑو، ایک دو ٹھوکریں اور سہی۔"

فرزانہ نے یہی کیا۔ دو زوردار ٹھوکریں اور رسید کیں اور پیچھے ہٹ آئی۔ اب شیلاک کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ التورانیو، ڈنگو اور باقی سب لوگ سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ شاید وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس لڑائی کا یہ انجام بھی ہو سکتا ہے۔

"اب مسٹر التورانیو... کیا حکم ہے... کون تمہاری طرف سے مقابلے پر آئے گا۔"

"ڈ... ڈنگو" التورانیو کے منہ سے نکلا۔

"ب... بے چارے ڈنگو کو بھی ڈڈ ڈنگو بنا دیا۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"یار چپ رہو۔" محمود نے اسے ڈانٹا۔

"کیوں خیر تو ہے... کیوں چپ رہوں، کوئی وجہ بھی تو ہو چپ رہنے کی۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"اب تلاش کرو وجہ چپ رہنے کی۔" خان رحمان محمود کی طرف دیکھ کر

ہنسے۔

"ویسے کیا خیال ہے جمشید... فرزانہ بہت اچھی رہی۔"

"ہاں! لیکن اس سے زیادہ محمود اچھا رہا... اگر یہ بیرے کی حرکت کو بھانپ نہ لیتا تو فرزانہ بے چاری تو اس وقت دنیا میں بھی موجود نہ ہوتی۔"

"رہ گیا میں... افسوس! میں کوئی کام نہ دکھا سکا۔" فاروق نے افسوس زدہ انداز میں کہا۔

"فکر نہ کرو... تمہاری باری.. ارے... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید کی آواز سے خوف ٹپک پڑا۔

ہولناک جنگ

"کک... کیا بات ہے ابا جان! خیر تو ہے۔"

"ڈنگو کہنے کے ساتھ ہی التورانیو نے ایک بیرے کو اشارہ کیا ہے... وہ دیکھو، وہ تیر کی طرح ایک سمت میں جا رہا ہے... اب ان کا ارادہ اس مقابلے سے جان چھڑا کر کوئی چال چلنے کا ہے.... فاروق! تم کہہ رہے تھے، افسوس! میں رہ گیا... لو تمہارے کام دکھانے کی باری آ گئی... فاروق غیر محسوس طور پر اٹھو.. جیسے بیت الخلا کی طرف جانے کا ارادہ ہو... اور اس کے پیچھے پہنچ جاؤ... دیکھو یہ کیا کرنے جا رہا ہے..."

"جج... جی اچھا... شش شکریہ! فاروق نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ ضروری نہیں کہ تم ہر لفظ کو دو ٹکڑوں میں تبدیل کر دو۔" محمود نے منہ بنایا۔

فاروق نے اس پر ایک تیز نظر ڈالی۔ جیسے کہہ رہا ہو، اس وقت میرے پاس جواب دینے کا وقت نہیں، پھر بات کروں گا.... اور جانے کے لیے مڑ گیا۔ اس کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ سب تو ڈنگو اور فرزانہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ایسے میں التورانیو کی آواز سنائی دی۔

''ڈنگو! تمہارا اصل امتحان آج ہے . . . . اب تک تم نے جان لیا ہوگا.. مقابلہ اناڑی لوگوں سے نہیں ہے، لہذا سوچ سمجھ کر لڑنا ہوگا، دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے۔''

''آپ فکر نہ کریں باس... '' ڈنگو نے سرسراتی آواز میں کہا۔

اور پھر دونوں آمنے سامنے آگئے۔ ڈنگو نے یک دم فرزانہ پر چھلانگ لگائی... اس کا خیال تھا کہ پہلے کی مانند فرزانہ اچھل کر خود کو بچائے گی، لیکن یہ اس کی بھول تھی... فرزانہ نے اب لڑائی کا انداز تبدیل کر دیا تھا، وہ وہیں جمی رہی، البتہ اس نے خود کو ڈنگو کی زد سے بچانے کے لیے اتنا ضرور کیا تھا کہ اسی جگہ فرش پر بیٹھ گئی تھی، ڈنگو اس کے اوپر سے ہوتا ہوا دور جا کر گرا۔ ہال میں موجود لوگوں کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں... ان میں سے اکثر کے منہ سے نکلا:

''واہ! بہت خوب؟''

''ڈنگو سنبھل کر۔'' التورانیو نے اسے خبردار کیا۔

''آپ فکر نہ کریں باس۔'' ڈنگو مسکرایا۔ وہ اب اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔

ساتھ ہی التورانیو نے گھڑی کی طرف بے چین ہو کر دیکھا... انسپکٹر جمشید کی نظریں فرزانہ اور ڈنگو کی بجائے اس پر جمی تھیں، لہذا انھوں نے اس کی اس حرکت کو صاف نوٹ کر لیا۔

انھوں نے بھی گھڑی پر نظر ڈالی، ایسے میں التورانیو کی آواز ابھری:

''اب یہ لوگ فرار ہونے کی سوچ رہے ہیں ڈنگو... خبردار۔''

''جی... کیا کہا... فرار ہونے کی سوچ رہے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے.... ڈنگو اب ہم فرار ہونے کی سوچ رہے ہیں اور

ہمیں فرار ہونا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

''ہاں جمشید! یہی بات ہے۔'' خان رحمان پر جوش انداز میں بولے۔

''خیر... دیکھا جائے گا۔'' پروفیسر بولے۔

ڈنگو سنبھل کر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس نے پرسکون آواز میں کہا۔

''ہم انھیں بھاگنے نہیں دیں گے باس۔''

''بالکل ٹھیک... اب ہم تمہارے دوسرے وار کا انتظار کر رہے ہیں۔'' التورانیو نے جیسے یاد دلایا۔

ایسے میں ڈنگو نے خفیہ طور پر غصیلے انداز میں ایک اور بیرے کو اشارہ کیا، یہ دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید نے محمود کے کان میں کہا۔

''ہوشیار! یہ ایک اور بیرے کو اس سمت میں روانہ کر رہا ہے، لہذا اس کے پیچھے تم جاؤ گے۔''

''جج... جی اچھا۔'' اس نے کہا اور اٹھ گیا... جب وہاں سے کچھ فاصلے پر چلا گیا، تب انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

''لیکن مسٹر التورانیو! ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''اور وہ کیا۔'' اس نے منہ پھاڑا۔

''ہوٹل کے تو تمام دروازے بند ہیں، ہم فرار کس طرح ہو جائیں گے... سامان ہمارا ہمارے کمروں میں پہنچایا جا چکا ہے۔''

التورانیو نے پریشانی کے عالم میں بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا، پھر بے چارگی کے عالم میں کہا:

''اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا، لیکن۔''

''لیکن کیا؟'' وہ بولے۔

"تم لوگ کوئی اور چال تو چل سکتے ہونا۔"

"ہم لوگ تو بس دوسروں کی چالوں کے جواب دیتے ہیں، خود چالیں نہیں چلتے.. یا اس صورت میں چلتے ہیں، جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہ جائے۔"

"ڈنگو! یہ باتوں میں لگانے کے چکر میں ہیں، جلد از جلد اس مقابلے کو ختم کرو۔"

"اچھا باس... یہ لیجیے۔"

اس بار اس نے گویا بے خبری کے عالم میں فرزانہ پر حملہ کیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ حملہ بہت خوفناک تھا... پہلے تو بلا کی تیزی سے جھکا تھا، پھر پنڈلی میں اڑسے ہوا خنجر نکالتے ہی وہ تیر کی طرح فرزانہ کی طرف آیا تھا، سبھی کو یوں محسوس ہوا جیسے خنجر فرزانہ کے پیٹ میں جا لگا ہے۔

ہال میں ایک تیز چیخ گونج اٹھی۔

بیرے تک پہنچنے کے لیے فاروق کو تیز بھی چلنا پڑا اور انداز بھی ایسا رکھا کہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ بہت تیزی سے کہیں جا رہا ہے، بیرے کا رخ ہوٹل کے پچھلی طرف تھا، وہ ایک برآمدے سے ہوتا ہوا ایک کھلی جگہ پہنچا۔ یہاں لوہے کا ایک زینہ اوپر جا رہا تھا۔ اب وہ تیزی سے اس کے اوپر چڑھنے لگا، فاروق کے لیے اب اس کی نظروں سے بچے رہنا ممکن نہ رہا، کیونکہ اسے بہر حال اس کا تعاقب جاری رکھنا تھا، اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب وہ بھی زینے پر چڑھتا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... زینے تک پہنچا اور اوپر چڑھنے لگا۔ بیرے نے اسے فوراً ہی دیکھ لیا، وہ زور سے اچھلا۔

"تت... تت... تم... تم۔" اس کے منہ سے مارے بوکھلاہٹ کے نکلا۔

"ہاں! مم... مم... میں.. میں۔" فاروق نے اسی کے انداز میں کہا۔

اس کی رفتار ایک دم بڑھ گئی، گویا وہ جلد از جلد اوپر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ یہ دیکھ کر فاروق نے بھی رفتار بڑھا دی۔"

دونوں بلا کی رفتار سے اوپر کی طرف بڑھے اور پھر فاروق ابھی چھ سات سیڑھیاں پیچھے تھا کہ وہ چھت پر پہنچ گیا۔"

اس لمحے فاروق کو بہت گھبراہٹ محسوس ہوئی... اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا:

"اوہو! یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

بیرا چونک کر اس کی طرف مڑا، بلکہ اس کی طرف جھک بھی گیا، تاکہ وہ بھی اس چیز کو دیکھ سکے جس کے بارے میں فاروق نے حیران ہو کر کہا تھا، یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

اور یہی وہ لمحہ تھا جس سے فاروق نے فائدہ اٹھایا، آن کی آن میں اس کا جوتا پہلے اس کے ہاتھ میں آیا، پھر وہ بیرے کے سر پر جا کر لگا۔

بیرا اس اچانک حملے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ لڑکھڑا گیا... ادھر فاروق بجلی کی سی تیزی سے باقی سیڑھیاں چڑھ گیا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس وقت تک وہ سنبھل چکا تھا۔

اس نے ایک جھکائی دی اور چھت پر بنے ایک کمرے کی طرف دوڑا۔ فاروق کہاں رکنے والا تھا۔ اس نے بھی دو تین چھلانگیں لگائی اور کمرے اور اس کے درمیان آ گیا:

"کیا پروگرام ہے دوست۔"

"تت... تم سب ختم ہو جاؤ گے۔" اس نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"تو کیا تم یہاں کسی بم کا سوئچ دبانے آئے ہو۔" وہ ہنسا۔

"تمہاری تو ایسی کی تیسی۔" یہ کہتے ہی وہ فاروق پر ٹوٹ پڑا۔ فاروق پہلے ہی ہوشیار تھا... جھکائی دے گیا۔

اب اس کی نظریں اس کمرے پر پڑیں۔ اس کے دروازے پر کنٹرول روم لکھا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ چونکا...

"ارے تو کیا تم مین سوئچ آف کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو۔"

اسے ایک زوردار جھٹکا لگا.... فاروق فوراً سمجھ گیا کہ یہی بات ہے۔

"گویا تم لوگ چاہتے ہو.. اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ہمیں ہال سے غائب کردو اور شور مچادو کہ بھاگ گئے یہ لوگ۔"

بیرے نے کوئی جواب نہ دیا، بس خونی نظروں سے اسے دیکھتا رہا، پھر بری طرح اچھلا اور فاروق سے ٹکرا گیا۔ فاروق نے بھی اس بار بچنے کی کوشش نہیں کی تھی.. کیونکہ اب اس سے ٹکرانا ضروری ہو گیا تھا، جب تک وہ ہوش میں تھا، سوئچ آف کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ فاروق فوری طور پر جھکا تھا، لہٰذا اس کا سر اس کے پیٹ میں جا لگا، ادھر اس نے دونوں ہاتھ اس کی کمر پر جڑ دیے۔

"بھائی اتنے زور سے تو نہ مارو.... ہاتھ نہ ٹوٹ جائیں تمہارے۔"

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔"

"معلوم ہوتا ہے ایک مدت سے خار کھائے بیٹھے ہو.... ہم نے کیا بگاڑا ہے بھلا تمہارا۔"

"تم سے زیادہ ہمارا کوئی بگاڑ بھی کیا سکتا ہے۔" وہ زہریلے انداز میں مسکرایا۔

"یہ تم اوپر کس سے باتیں کر رہے ہو۔" نیچے سے آواز آئی۔

دونوں چونکے۔ بیرا تو کھل اٹھا۔

"لو! اب میرا ساتھی آ گیا... اب تم روک کر دکھانا مجھے..."

فاروق تیزی سے حرکت میں آیا اور اس کی دونوں ٹانگوں سے جا ٹکرایا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا گیا، سنبھلنے کی پوری کوشش کی، لیکن گر ہی گیا، فاروق اس کی طرف جھپٹا اور ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں دے ماری۔

اتنے میں دوسرا بیرا اوپر آ گیا۔

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے یہاں... اور باس نے تمہیں کس لیے بھیجا تھا احمق کہیں کے۔"

"یہ میرے راستے کی رکاوٹ بن گیا تھا، دیکھا نہیں اسے.. میرے اور اس کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔"

"حد ہو گئی... تم اسے سنبھالو... میں سوئچ بند کرتا ہوں، باس کا پارہ چڑھتا جا رہا ہے۔" یہ کہ کر دوسرا فوراً کنٹرول روم کی طرف لپکا۔

"ارے خبردار.... یہ تو کوئی انصاف نہ ہوا... فاروق نے اسے للکارا اور پھر اس کی طرف دوڑ پڑا.. یہاں تک کے اس کے راستے میں آ گیا، پھر فوراً ہی اس نے اپنا سر اس کی ٹھوڑی پر دے مارا۔ وہ اس سے بہت لمبا تھا، لہٰذا دونوں ہاتھ آگے کر کے اس داؤ سے بچ گیا... ادھر پہلا اٹھ چکا تھا... اس نے فاروق پر چھلانگ لگائی، فاروق فوراً لڑھک گیا، نتیجہ یہ کہ دونوں بیرے آپس میں ٹکرا گئے اور دھڑام سے گرے۔"

"یہ کیا کر رہے ہو، یہ لڑنے کا کون سا طریقہ ہے۔" فاروق نے محمود کی چہکتی آواز سنی۔

وہ دونوں زور سے چونکے اور پھر ان کے چہرے مارے غصے
کے سرخ ہو گئے، شاید انھیں خیال آیا تھا کہ اب تک تو وہ ایک سے لڑتے رہے ہیں اور
کنٹرول روم میں داخل نہیں ہو سکے... اب دوسرا بھی آ گیا۔

''خوب خوب... بہت خوب۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

''ان کا کیا ارادہ ہے فاروق۔''

''پورے ہوٹل میں تاریکی پھیلانے کا.... تاکہ یہ ہمیں اندھیرے میں
ہال سے غائب کر دیں اور لائٹ آنے پر شور مچا دیں.... دیکھا.. بھاگ گئے بزدل
کہیں کے۔''

''اوہ... تب تو یہ خوفناک بات ہوگئی.... لہٰذا ہم انھیں ایسا نہیں کرنے
دیں گے۔''

''ان شاء اللہ۔''

عین اس لمحے دونوں بلا کی تیزی سے اچھلے اور ان دونوں پر آ گرے۔

یہ اصول نہیں

ہال میں گونجنے والی تیز چیخ ڈنگو کی تھی۔ ڈنگو کا خنجر خود اس کے
پیٹ میں جا لگا تھا اور یہ بات سبھی کے لیے حیرت کی تھی۔ ان سب کے منہ کھل گئے،
آنکھیں پھیل گئیں.... سب سے برا حال التورانیو کا تھا۔ اس کے منہ سے نکلا۔

''نہیں... نہیں.. نہیں۔''

''میری طرف سے چوتھی مرتبہ بھی نہیں کہہ لیں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''
فرزانہ کی آواز ابھری۔

''یہ... یہ... کیسے ممکن ہے۔'' بہت سے لوگ چلا اٹھے۔

''کیا کیسے ممکن ہے۔'' خان رحمان بولے۔

''خنجر کا وار تو ڈنگو نے کیا تھا اس لڑکی پر اور خنجر لگ گیا خود ڈنگو کو جب کہ اس
لڑکی نے ایسی کوئی بھی کوشش نہیں کی۔''

''جادو کا ہوگا۔'' پروفیسر بول اٹھے۔

''جادو کا ہوگا.... کیا جادو کا ہوگا۔'' خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

''بھئی خنجر اور کیا۔''

''اوہ اچھا... تم خنجر کی بات کر رہے ہو، میں سمجھا تھا تم خنجر کی بات کر رہے

ہو۔" پروفیسر ہنسے۔

"ہے کوئی تک اس بات کی۔" خان رحمان جھلا کر بولے۔

"نہیں تو... تک تو کوئی نہیں... لیکن مشکل ایک اور ہے۔" پروفیسر پھر ہنسے۔

"یہ یہاں مشکل کہاں سے ٹپک پڑی۔" خان رحمان نے انھیں گھورا

"یار خان رحمان... ٹپک پڑنے کو کیا چیز نہیں ٹپک سکتی۔"

"معلوم ہو گیا... آپ دونوں میں محمود اور فاروق کی روحیں گھر کر گئی ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے برا سامنہ بنایا۔

اس قدر خوفناک بات تو نہ کرو... ورنہ لوگ بھاگ جائیں گے۔"

"اوہ! اچھا! ارے.... نہیں۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔

"اور اب تم جوان کی نقل کر گئے۔" خان رحمان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

اسی وقت التورانیو کی آواز ابھری۔

"کوئی پروا نہیں... اب یہ مقابلہ میں کروں گا۔"

"یہ ہوئی نا بات... فرزانہ تم واپس آجاؤ... ان سے مقابلہ میں کروں گا۔" انسپکٹر جمشید نے اعلان کیا۔

"یہ اصول نہیں یہاں کا۔" التورانیو سفاک لہجے میں بولا۔

"کیا اصول نہیں۔"

"یہ کہ... جو میدان میں لڑ رہا ہو، وہ مکمل فتح تک واپس چلا جائے اور اس کی جگہ دوسرا آجائے۔ اس کو لڑنا ہوگا... یا تو یہ مجھے بھی شکست دے گی یا میرے ہاتھوں ماری جائے گی۔"

"فکر نہ کریں ابا جان، میں ابھی تھکی نہیں۔"

"اچھی بات ہے... یونہی سہی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ایسے میں محمود اور فاروق آتے دکھائی دیے۔ انسپکٹر جمشید کی نظر ان پر پڑی تو اشارے میں پوچھا۔

"کیا رہا؟"

"دونوں کو لمبا لٹا آئے ہیں... اور وہ ایک گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آسکیں گے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔"

عین اس لمحے باہر پولیس کی بڑی بڑی گاڑیاں آکر رکتی نظر آئیں.... یہ سب ان کی طرف دیکھنے لگے.... التورانیو اور فرزانہ بھی رک گئے۔

"ہمیں یہ معلوم ہوا ہے... یہاں پر اسرار طور پر ایک قتل ہو گیا ہے... پہلے اس قتل کی تحقیقات ہوں گی... پھر آپ اپنے یہ مقابلے جاری رکھیے گا... اس وقت مقابلہ روک دیا جائے۔"

"نہیں نہیں۔" مجمع چلایا۔

"کیا نہیں نہیں۔" پولیس آفیسر اندر آتے ہوئے بولا... باہر پولیس پورے ہوٹل کے گرد گھیرا ڈال رہی تھی۔

"یہ مقابلہ اس قدر سنسنی خیز ہے.. اس قدر دلچسپ ہے، اس قدر اعصاب شکن ہے کہ ہم اس کو رکتے نہیں دیکھ سکتے۔ آپ اپنی تفتیش بعد میں کرتے رہیے گا... یہ مقابلہ پہلے ہونے دیں... یہ آج کا آخری مقابلہ ہے... اس لیے کہ التورانیو سے بڑا پہلوان اس ہوٹل میں تو ہے نہیں... کیا کہتے ہیں آپ التورانیو۔"

"بالکل ٹھیک پولیس چیف... آپ آرام سے بیٹھ کر مقابلہ

دیکھیں... قاتل یہیں ہے، ہم نے یہاں سے کسی کو ہوٹل سے باہر نہیں جانے دیا۔"

"البتہ دو کو چھت پر ضرور جانے دیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"کیا مطلب؟" پولیس چیف صاحب چونکے۔

التورانیو نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"یہ اس مقابلے کو لائٹ آف کر کے ختم کرنا چاہتے تھے، لہٰذا انھوں نے ایک بیرے کو کنٹرول روم کی طرف بھیجا، ادھر ہم نے ان کا یہ پروگرام بھانپ لیا، لہٰذا ہم بھی اس کے پیچھے وہاں پہنچ گئے اور اسے ایسا نہ کرنے دیا، جب لائٹ آف نہ ہوئی تو ان صاحب نے ایک اور بیرے کو بھیجا۔ آپ اب بھی چھت پر جا کر کنٹرول روم کے دروازے کے سامنے ان دونوں کو بے ہوش پڑا دیکھ سکتے ہیں۔"

"اوہو اچھا! ایسا بھی ہے، کیوں مسٹر التورانیو! یہ آپ کیا کر رہے ہیں، یہاں موت اور زندگی کا کھیل پیش کرتے ہیں اور اندر یہ دھوکا بازی بھی کرتے ہیں.. اب پہلے مقابلہ ہوگا... پھر میں اس معاملے کی تفتیش کروں گا اور ہاں اوپر سے ان دونوں کو نیچے لے آیا جائے... انھیں حراست میں رکھا جائے گا..."

اس کے چند ماتحت اسی وقت اوپر کی طرف چلے گئے:

"تماشائیوں کی فرمائش پوری کریں... اور مقابلہ شروع کریں... میں نے سنا ہے اس وقت تک یہ لڑکی دو نامی گرامی پہلوانوں کو گرا چکی ہے... یہ شاید اس ہوٹل کی تاریخ کا پہلا زوردار واقعہ ہے۔" پولیس چیف نے خوش ہو کر کہا۔

"اور آخری بھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آخری بھی... کیا مطلب آپ کون ہیں؟" پولیس چیف ان کی طرف مڑا اور پھر بری طرح اچھلا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔" مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

"یہ اس بچی کے والد ہیں۔" کئی تماشائی بول اٹھے۔

"اور یہ انسپکٹر جمشید ہیں... دنیا کے مانے ہوئے سراغرساں۔"

"کیا!!! سب لوگ چلا اٹھے... لیکن التورانیو ان کے ساتھ نہیں چلایا تھا.. نہ اس کے چہرے پر حیرت نظر آئی تھی۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اسے تو ان کے بارے میں پہلے ہی معلوم تھا۔

"ہاں! یہ انسپکٹر جمشید ہیں... مجھے حیرت ہے... آپ یہاں کہاں۔"

"ہمیں یہاں آنے پر مجبور کیا تھا... لہٰذا ہمیں آنا پڑا۔"

"ہم آپ کی کہانی سننا چاہتے ہیں۔"

"اور میں یہ کہانی ضرور سناؤں گا۔"

"کیا خیال ہے مسٹر التورانیو... اب بھی آپ مقابلہ کرنا پسند کریں گے یا ہم پہلے ان کی کہانی سن لیں۔"

"ٹھیک ہے... اب مقابلے کی ضرورت نہیں رہی۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"تب پھر سب لوگ بیٹھ جائیں اور مقابلے کی بجائے ان حضرات کی کہانی سن لیں.. آپ کو مقابلے سے زیادہ مزا آئے گا۔"

"ٹھیک ہے جناب!" تماشائی بولے... کیونکہ اب وہ بھی حیرت زدہ تھے۔

اسی وقت اوپر سے دو بے ہوش اور زخمی بیروں کو ہال میں لایا گیا۔ پولیس چیف نے ان پر ایک نظر ڈالی اور بولے۔

"انھیں یہیں سب کے سامنے فرش پر ڈال دو۔"

"او کے سر۔"

اور ان دونوں کو وہیں لٹا دیا گیا۔ وہ ابھی تک بالکل ساکت تھے۔

"اس لاش کو بھی یہیں لے آئیں... التورانیو نے اس کو ایک طرف کروا دیا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کا مطلب ہے.. جسے زہر دیا گیا ہے۔" پولیس چیف بولے۔

"جی.... جی ہاں۔"

اس لاش کو بھی ان زخمیوں کے پاس لٹا دیا گیا۔ اب پولیس چیف ان کی طرف مڑے اور بولے:

"ہاں اب بتائیں! یہ سب کیا ہے۔ آپ اس ہوٹل کے میدان میں کیوں اترے، یہ ہوٹل تو ہمارے ملک میں خونی ہوٹل کے نام سے مشہور ہے، یہاں جو مقابلے ہوتے ہیں، زندگی یا موت کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔"

"اور میں حیران ہوں.... آخر آپ کی حکومت نے انھیں یہ اجازت دے کس طرح دی..."

"ان لوگوں نے بڑے بڑے وکیلوں کی خدمات حاصل کی ہیں، عدالتوں میں مقدمات لڑے ہیں، یہ دراصل ڈوئل قسم کے مقابلے ہیں، مقابلہ کرنے والوں سے یہ پہلے ہی لکھوا لیتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کی موت واقع ہوگی، بہرحال کچھ قانونی نکات کی وجہ سے یہ مقابلے غیر قانونی نہیں رہے، اگرچہ مجھے ان پر اعتراض ہے، لیکن میں عدالتی حکم کے آگے بے بس ہوں... اب آپ سنائیں... آپ کی کہانی کیا ہے... اور آپ کے ہوتے ہوئے یہاں قتل کی واردات کیسے ہوگئی۔"

"شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ بات دراصل اتنی سی ہے کہ اس ہوٹل میں میرے قتل کا منصوبہ بنایا گیا تھا اور ایسا

آج سے چھ ماہ پہلے ہوا تھا جب کہ میں یہاں ایک سرکاری کام سے آیا تھا اور اس ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ ہوٹل کا ایک بیرا فواد جلیبی بڑھ چڑھ کر میری خدمت کرنے لگا اور اس نے بڑی کوشش کی کہ میرے نزدیک ہوتا چلا جائے۔ اس کی یہ کوشش میں بھانپ گیا، لیکن ظاہر نہ ہونے دیا۔"

"کیا مطلب؟" کوئی بول اٹھا۔

انسپکٹر جمشید نے ادھر ادھر دیکھا جیسے معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ کون بولا تھا۔ پھر انھوں نے کہا۔

"یہ کون صاحب بولے تھے بھلا۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔

"خیر.... اب اس چکر میں کون پڑے کہ کون بولا تھا... اب وہ پھر کہہ رہے تھے۔

"میں نے یہ بات بھانپ لی کہ فواد جلیبی مجھ سے تعلقات بڑھانا چاہتا ہے، مجھے الجھن ہوئی اور میں نے بھی اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا... تاکہ معلوم ہو، وہ کیوں میرے نزدیک آنے کے لیے بے چین ہے اور جب میں احتیاط کرتا ہوں تو پھر ہر پہلو سے کرتا ہوں... چنانچہ ایک دن ہوٹل کا دوسرا بیرا کھانا لایا تو مجھے شک گزرا، میں نے اس کھانے میں سے بلی کے آگے لقمہ ڈالا، وہ فوراً مرگئی، میں نے اندازہ لگالیا کہ فواد جلیبی ہی کے ذریعے زہر شامل کیا گیا ہے.... اب اگر میں پولیس کو فون کرتا تو فواد جلیبی پکڑا جاتا، لیکن یہ معلوم نہ ہو پاتا کہ مجھے کون ہلاک کرنا چاہتا ہے اور کیوں، سو میں خاموشی سے ہوٹل سے نکل گیا، البتہ ہوٹل کے بل کی رقم ادا کر کے گیا، رقم ادا کرتے وقت میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں ہوٹل چھوڑ کر جا رہا ہوں... ایک دوسرے ہوٹل میں میں نے قیام کیا، لیکن ادھر سے کوئی وہاں نہ آیا، میں

اپنے وطن واپس آ گیا۔ چند دن پہلے فواد جلیبی کا فون ملا.... کہ یہ وہاں آنا چاہتے ہیں، چند دن کے لیے میرے ہاں مہمان ٹھہریں گے۔ ایسی پیش کش میں نے خود انھیں کی تھی... تاکہ میں جان سکوں، یہ کس چکر میں ہیں اور مجھے یقین تھا، یہ کوئی حرکت کریں گے ضرور، چنانچہ میں نے ان سے کہہ دیا کہ یہ شوق سے آسکتے ہیں... اس طرح فواد جلیبی صاحب وہاں پہنچ گئے، لیکن ایک فواد نہیں، تین فواد وہاں پہنچے۔"

"کیا مطلب؟" سب بول اٹھے۔

اب انھوں نے تینوں کے بارے میں تفصیل سے سنا دیا، پھر جس طرح وہ وہاں سے غائب ہوئے، وہ بھی بتا دیا... اس کے بعد بولے۔

"اس ساری کہانی سے یہ اشارے مل رہے تھے کہ یہ لوگ ہمیں گھیر گھار کر آخر کار ہوٹل المارا میں لانا چاہتے ہیں، سو میں نے سوچا، ان کی خواہش پوری کر ہی دی جائے۔" مطلب یہ تینوں فواد یہیں سے گئے تھے..."

"لیکن ابا جان.. ہم نے ان کے چہرے چیک کرائے تھے اور میک اپ ثابت نہیں ہو سکا تھا۔"

"ہاں! یہی بات ہے.... میرا خیال ہے، وہ تینوں جڑواں بھائی ہیں اور صرف ہمیں الجھانے اور گھیر کر لانے کے لیے چارے کے طور پر استعمال کیے گئے ہیں.. کیوں مسٹر التورانیو... یہی بات ہے نا۔"

"کہتے جائیں... میرا ان معاملات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں... فواد جلیبی کا اگر ثابت ہو جاتا ہے تو اسے گرفتار کرلیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"آپ بس سنتے جائیں، کسی بے گناہ کو بلاوجہ پھانسنا تو ہماری عادت ہی نہیں۔ یہ بات چیف بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"بالکل... بالکل۔" وہ فوراً بولے۔

"اور پھر وہ تینوں وہاں سے غائب ہو گئے، ہم نے بھی معاملے کی تہ تک پہنچنے کا پروگرام بنا لیا... سو ہم یہاں آ گئے۔ یہ بات میں نے محسوس کر لی تھی کہ اس زہر سے یہ مجھے مارنا نہیں چاہتے تھے.... یہ تو مجھے یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ اس ہوٹل میں کوئی میرا دشمن موجود ہے... تین فواد بھیج کر اس یقین کو اور پختہ بنانے کی کوشش کی گئی، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ مجھے قانونی طور پر قتل کرنا چاہتے تھے۔"

"جی... کیا مطلب؟" محمود، فاروق اور فرزانہ چلا اٹھے... کیونکہ اس حد تک اندازہ ان لوگوں کو بھی نہیں تھا۔

باقی لوگ بھی مارے حیرت کے چلائے بغیر نہ رہ سکے.. اب سب لوگ بری طرح بے چین نظر آ رہے تھے اور جلد از جلد اصل کہانی کو جان لینا چاہتے تھے۔

پھر انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

قتل کا مجرم

"جونہی ہم ائیر پورٹ سے باہر نکلے۔ایک ٹیکسی تیر کی طرح ہماری طرف
آئی۔اس پر ہوٹل المارا لکھا تھا، ہم دل میں مسکرائے اور اسی میں سوار ہو گئے۔آخر اس
طرح ہم ہوٹل پہنچ گئے، ہمارا شان دار استقبال کیا گیا، ہمیں بہت حیرت ہوئی، تاہم
جلدی ہی کچھ اور لوگ آئے جو مقدار میں ہم جتنے تھے، تب ہمیں بتایا گیا کہ ہمارا
استقبال دراصل ان کے دھوکے میں ہوا ہے۔۔یہ ڈرامہ بلا وجہ کیا گیا...یا یہ ظاہر کرنے
کے لیے کیا گیا کہ ہمیں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہاں نہیں لایا گیا، بلکہ اب تو
محسوس ہو رہا ہے کہ بات بالکل یہی ہے...ادھر ہم یہاں آئے، ادھر دو آدمی پردے
کے پیچھے سے لڑتے ہوئے سامنے آ گئے....پھر یہاں باقاعدہ مقابلہ شروع
ہو گیا...ایک قیدی کا نام لیا گیا۔۔پھر قیدی سامنے آیا تو ہم بری طرح اچھلے...یہ
ہمارے دوست منور علی خان تھے، دنیا کے مشہور شکاری، ابھی ہم نے ان کی کہانی نہیں
سنی کہ یہ یہاں کیسے آ گئے...خیر ان سے بعد میں پوچھیں گے، انھیں کمزور دیکھ کر ہمیں
خود لڑائی کے میدان میں اترنا پڑا۔شاید بعد میں انھیں ٹھیک طرح سے کھانے پینے کو
بھی نہیں دیا گیا....اس لیے یہ اس حد تک کمزور نظر آ رہے ہیں... کیوں منور علی
خان! یہی بات ہے نا۔"

"ہاں بالکل! مجھ پر یہاں بہت ظلم توڑا گیا۔"
"آپ فکر نہ کریں...ان سے انتقام لیا جائے گا۔"
"یہ قانونی طور پر ہمارے مقابلے پر آئے تھے، مقابلے کے دوران یہ بری
طرح زخمی ہو گئے اور انھیں مردہ خیال کر لیا گیا، لہٰذا انھیں ہوٹل کے اندرونی حصے میں
لے جایا گیا...التورانیو نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔
"اور قید کر لیا گیا۔"
"ہاں! جب یہ موت اور زندگی کا مقابلہ منظور کر چکے تھے تو اپنی موت تک
منظور کر چکے تھے، اس صورت میں ہم انھیں قید کیوں نہیں کر سکتے تھے۔"
"اس کا فیصلہ عدالت کرے گی...اگر عدالت نے فیصلہ دیا کہ آپ انھیں
قید میں رکھ سکتے تھے تو ہم بھی کوئی اعتراض نہیں کریں گے...اول تو اب اس کی
ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی...ہم آپ کو قتل کا مجرم ثابت کر رہے ہیں۔"
"قتل کا مجرم؟" سارا ہال چلا اٹھا۔
"ہاں جناب! قتل کا مجرم....مسٹر التورانیو نے اس ہال میں سب کے
سامنے اپنے ایک بیرے فواد جلیبی کو قتل کیا ہے۔"
"کک...کیا...کیا کہا آپ نے...وہ...وہ بیرا فواد جلیبی تھا۔" محمود
فاروق وغیرہ چلائے۔
"ہاں اور جو دو اوپر گئے، پھر زخمی حالت میں نیچے لائے گئے، وہ وہی دو ہم
شکل ہیں جو ہمارے گھر سازش کے مہمان بن کر آئے تھے۔"
"اوہ...اوہ۔" ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔
"نہیں مسٹر التورانیو! اب آپ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کریں گے، نہ اپنا
ہاتھ جیب کی طرف لے جانے کی کوشش کریں گے...محمود تم التورانیو کے ساتھ

کھڑے بیرے پر نظر رکھنا، اگر یہ ذرا بھی حرکت کرے تو گولی مار دینا اسے۔''

''یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' پولیس چیف گھبرا کر بولے۔

''کیا ایسی ہدایات دینا آپ کے نزدیک قانوناً جرم ہے۔''

''ہاں بالکل! یہ آپ کا ملک نہیں ہے۔''

''کیا آپ اس بات کی ضمانت دے سکتے ہیں کہ یہ کوئی حرکت نہیں کرے گا... کیونکہ میں سمجھتا ہوں، یہ کھڑے کھڑے اس طرح وار کر سکتا ہے کہ ہم سب کو آن کی آن میں ختم کر دے۔''

''نن نہیں... نہیں۔'' وہ بیرا چلا اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ہی خوف سما گیا۔

''آپ نے دیکھا، اس کی آنکھوں میں خوف۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''ہاں! دیکھا... میں بہت حیران ہوں، لیکن ایسا حکم آپ پھر بھی نہیں دے سکتے۔''

''محمود! اگر یہ حرکت کرے تو اسے ہر حال میں گولی ماری جائے گی۔'' انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

''آپ ہمارے ملک کے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔''

''میں ہاتھ میں نہیں لے رہا، آپ کے ملک کے قانون سے واقف ہوں، کیا آپ کسی قاتل کو اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ اس بھرے ہال میں اور بہت سے لوگوں کو قتل کر دے۔''

''ہرگز نہیں! ایسی اجازت بھلا کس طرح دی جا سکتی ہے۔''

''تب پھر اسی بات سے روکنے کے لیے میں نے پھر حکم دیا ہے، کیونکہ آپ کو معلوم نہیں، یہ کس طرح سے اور کس آلے سے حملہ کرے گا۔''

''آپ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''پہلی بات! یہ حرکت نہ کرے۔''

''ٹھیک ہے... یہ حرکت نہیں کرے گا۔''

''اگر میں نے محمود کو اس کے سر پر مقرر نہ کیا تو یہ حرکت کرے گا۔''

''آپ کی باتیں سمجھ سے باہر ہیں، فی الحال ہم یہ برداشت کر لیتے ہیں، یعنی آپ کا حکم، لیکن اگر بعد میں آپ وضاحت نہ کر سکے تو ہم آپ کو بھی گرفتار کریں گے۔''

''چلیے! یہ ٹھیک رہے گا۔'' وہ مسکرائے۔

اب محمود نے اپنے ہاتھ میں پستول لے لیا۔

''مم... میں تمباکو پینے کا عادی ہوں، اتنی تو مجھے اجازت ہونی چاہیے۔'' بیرا گڑبڑایا۔

''ہاں ہاں... ضرور کیوں نہیں، لیکن سگریٹ تمہیں میرا آدمی نکال کر دے گا۔'' پولیس چیف نے کہا۔

''ٹھیک ہے... لیکن میں سگریٹ نہیں پیتا... پائپ کا عادی ہوں۔''

''ٹھیک ہے... میں پائپ نکلوا دیتا ہوں۔''

''واہ... خوب قانون کا محافظ خود قتل کا آلہ اس کے ہاتھ میں دے رہا ہے۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''کیا مطلب؟'' وہ سب بری طرح اچھلے۔

پھر پولیس چیف کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا۔ ان کے منہ سے نکلا:

''نن نہیں... نہیں۔''

"اب آپ سمجھے۔"

"ہاں! کیوں نہیں... خبردار... پائپ اس کی جیب سے نکال لیا جائے۔"

"ایسے نہیں جناب!" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ایسے نہیں جناب... کیا مطلب؟"

"پائپ ہمیں نکالنے دیں، ورنہ ہم جرم ثابت نہیں کر سکیں گے۔"

"اچھی بات ہے، آپ نکال لیں۔" پولیس چیف نے فوراً کہا۔

"محمود! تم اس کی جیب سے پائپ نکال لو۔"

"جی اچھا! اس نے کہا اور پرسکون انداز میں چلتا اس کے پاس پہنچ گیا، پھر اس نے اپنے خاص طریقے سے پائپ اس کی جیب سے نکال لیا۔

"یہ رہا آلۂ قتل۔" اس نے ہاتھ اوپر کر کے کہا۔

"یہ.... یہ کیسا آلۂ قتل ہے؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"ظاہر میں یہ تمباکو پینے کا پائپ ہے، لیکن دراصل موت کا پائپ ہے، اس کو بلو پائپ کہتے ہیں، اس میں زہریلی سوئیاں بھری جاتی ہیں، پائپ کو منہ سے لگا کر جب اس میں پھونک ماری جاتی ہے تو وہ سوئیاں تیر کی طرح اس سے نکلتی ہیں اور سامنے موجود لوگوں کو جا لگتی ہیں، سوئیوں کا شکار ہونے والے آن کی آن میں ختم ہو جاتے ہیں جیسا کہ وہ بیرا ختم ہوا تھا۔"

"لیکن اس بیرے کو بھلا یہ بیرا کیوں ہلاک کرتا، اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" پولیس چیف نے سوال اٹھایا۔

"یہ کام بیرے نے نہیں کیا، سنیے! میں وضاحت کرتا ہوں، ہمیں اس ہال میں سب کے سامنے قانونی موت مارنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، لیکن انھیں یہ بات بھی معلوم تھی کہ اس قسم کے مقابلوں میں ہمیں شکست دینا بھی کوئی آسان کام نہیں... لہذا

زہریلا پائپ مسٹر التورانیو کے پاس تیار تھا، جونہی فرزانہ پر پہلا وار ہوتا یہ اس پائپ میں سے ایک دو سوئیاں اس کے جسم میں اتار دیتا۔ بس فرزانہ ڈھیر ہو جاتی، ظاہر ہے، اس کے بعد ہم باری باری میدان میں آتے اور اسی طرح مارے جاتے.... ظاہر میں یہی نظر آتا کہ شیلاک یا ڈنگو کے بس ایک ایک ہاتھ کی مار ثابت ہو رہے ہیں۔"

"لیکن یہاں ایک اور سوال پیدا ہو رہا ہے۔" پولیس چیف کی آواز سنائی دی۔

"اور وہ کیا؟"

"آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ بیرے کا قتل مسٹر التورانیو نے کیا ہے۔"

"بالکل ٹھیک چیف صاحب.... میں نے یہ قتل ہرگز نہیں کیا... نہ میری جیب سے پائپ برآمد ہوا ہے، پائپ تو اس بیرے کی جیب سے برآمد ہوا ہے، اگر یہ جرم ہے تو پھر اس کا ہے، میرا نہیں۔" التورانیو نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" بیرا کانپ گیا۔

"نہیں جناب! یہ جرم مسٹر التورانیو کا ہے، میں یہ بات ثابت کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، کریں پھر ثابت۔" پولیس چیف بولے۔

"اس پائپ پر التورانیو کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں، اس بیرے کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملیں گے، اور اسی لیے میں نے اسے پائپ جیب سے نکالنے سے روک دیا تھا۔

اس طرح اس کی انگلیوں کے نشانات پائپ پر آ جاتے اور یہ ثابت کرنا مشکل ہو جاتا کہ قتل مسٹر التورانیو نے کیا ہے یا اس بیرے نے، جب کہ اب معاملہ صاف ہے.. پائپ اگرچہ بیرے کی جیب سے نکلا ہے، لیکن اس کی انگلیوں کے

نشانات جب اس سے نہیں ملیں گے اور التورانیو کے نشانات ملیں گے تو یہ بات ثابت ہو جائے گی.. کہ پائپ تھا تو التورانیو کے ہاتھ میں، اور بیرے کو قتل بھی اس نے کیا ہے، لیکن ایسا کرنے کے فوراً بعد اس نے یہ پائپ اس بیرے کی جیب میں ڈال دیا تھا اور اسے اشارے سے بتا بھی دیا تھا کہ یہ پائپ وہ اس کی جیب میں ڈال رہا ہے اب ظاہر ہے، یہ بیرا بھی صرف بیرا نہیں، التورانیو کا خاص آدمی ہے اور پائپ کے استعمال کو اچھی طرح جانتا ہے، اسی لیے تو اس کو جیب سے نکالنے کے لیے بے چین تھا...''

''بہت خوب! اگر پائپ پر سے التورانیو کی انگلیوں کے نشانات مل جاتے ہیں تو ہم ابھی انھیں گرفتار کرلیں گے۔''

یہ کہ کر اس نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔ وہ پائپ ایک طرف لے گئے تاکہ اس سے نشانات اٹھائے جا سکیں اور پھر التورانیو کی انگلیوں کے نشانات سے ملائے جا سکیں۔ ایسے میں التورانیو نے ڈوبتی آواز میں کہا۔

''سچ یہ ہے مسٹر چیف! میں نے بیرے کو قتل نہیں کیا، آخر میں اسے کیوں قتل کرتا۔''

''آپ اسے نہیں.... میری بچی فرزانہ کو قتل کرنا چاہتے تھے... لیکن اچانک وہ راستے سے ہٹ گئی اور سوئی اس بیرے کو جا لگی۔''

''ضرور یہی ہوا ہے۔'' پولیس چیف نے پُرجوش انداز میں کہا۔

''نہیں مسٹر چیف! آپ غلط سوچ رہے ہیں۔''

''نشانات کا نتیجہ معلوم ہونے تک آپ چپ رہیں، آپ کو عدالت میں پورا موقع دیا جائے گا۔'' پولیس چیف سرد آواز میں بولے۔

پھر نتیجہ سامنے آ گیا، پائپ پر واقعی التورانیو کے نشانات موجود

تھے۔

''التورانیو کا جرم ثابت ہو گیا... لیکن ایک دو باتیں ابھی تک واضح نہیں ہو سکیں.. التورانیو آپ کو کیوں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔''

''یہ پروگرام التورانیو کا اپنا نہیں، ایک اور پارٹی کا تھا۔ اس پارٹی نے تو بھاری معاوضہ دے کر التورانیو کے ذریعے یہ کام لینا چاہا تھا، کیونکہ یہ یہاں مقابلے کے دوران ہم لوگوں کو ختم کر دیتا اور قانون اسے نہیں پوچھ سکتا تھا۔''

''اوہ... اوہ۔'' التورانیو کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''شاید تم اس بات پر حیران ہو کہ میں نے یہ کیسے جان لیا، سو میں بتا دیتا ہوں... جس خاندان کا استقبال ہمارے بعد کیا گیا ہے... وہ وہی لوگ ہیں جو ہر حال میں ہماری موت چاہتا ہے... یہ خاندان آج بھی یہاں ہال میں موجود ہے اور اس دن بھی موجود تھا جب پہلی بار مجھے یہاں زہر دیا گیا تھا۔''

''کیا.. کیا... نہیں۔'' سب لوگ بری طرح چلا اٹھے۔

اب تو سب کے رخ اس خاندان کی طرف ہو گئے..

''تت... تو یہ منصوبہ آپ کا تھا۔'' پولیس چیف بولے۔

''نہیں! یہ جھوٹ ہے... غلط ہے۔''

''اگر یہ جھوٹ ہے... غلط ہے تو پھر آپ نے یہ پائپ التورانیو کو کیوں دیا تھا۔''

''یہ غلط ہے... جھوٹ ہے... آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے۔''

''آپ کی اپنی جیب میں بالکل ایسا ہی پائپ موجود ہے.... چیف صاحب.. ہو جائے ان کی بھی تلاشی۔''

"ضرور کیوں نہیں۔"

پولیس چیف کے ماتحتوں نے ان لوگوں کو فوراً گھیر لیا، تلاشی لینے پر پائپ نکل آیا۔

"کمال ہے.. حیرت ہے... آخر تمہیں کیسے معلوم ہو گیا جمشید کہ ان کے پاس بھی بالکل ایسا ہی پائپ موجود ہے۔"

"میں ان کے چہرے کے تاثرات دیکھتا رہا ہوں... پائپ کا ذکر شروع ہوا تو ان کی حالت غیر ہونے لگی، بار بار ان کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف جا رہا تھا۔"

"اوہ اوہ... ان لوگوں کو بھی گرفتار کر لیا جائے۔"

وہ کچھ نہ بولے... ایسے میں خان رحمان کی آواز ابھری۔

"لیکن یہ کون لوگ ہیں، جو ہمیں قتل کرنا چاہتے تھے"

"کسی بین الاقوامی ادارے کے لوگ.. ایسے نہ جانے کتنے ادارے ہیں، ان کے کام ہماری وجہ سے ہو نہیں پاتے، ہمارے ملک میں ان کی سازشیں پروان نہیں چڑھتیں، گویا دھری کی دھری رہ جاتی ہیں... یہ آپ تفتیش کرتے رہیے گا کہ یہ لوگ کس ملک سے یا کس ادارے سے تعلق رکھتے ہیں... بہرحال یہ بات طے ہے کہ ہمیں قانونی موت مارنے کے لیے یہاں گھیر کر لایا گیا تھا... لہذا ہمارا یہاں کام ختم اور ہم ابھی یہاں سے رخصت ہو جانا پسند کریں گے... کیوں دوستو!" انھوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"ہم دو چار دن یہاں رہ کر گھوم پھر بھی تو سکتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بالکل ٹھیک فاروق! میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" خان رحمان چہکے۔

"اور میں تمہاری تائید کرنے والا تھا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اور میں آپ کی تائید کرنے والا تھا۔" محمود مسکرایا۔

"رہ گئی میں... جدھر سب... ادھر میں۔"

"گگ گویا... تم سب میرا ساتھ چھوڑ رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے۔

اور وہ مسکرانے لگے... ایسے میں ان کی نظریں منور علی خان پر گئیں.... وہ بھی مسکرا رہے تھے۔

"انکل آپ نے ابھی یہ نہیں بتایا کہ ان کے جال میں کیسے پھنس گئے۔" محمود نے کہا۔

"اگر تم لوگ پھنس سکتے ہو تو میں کیوں نہیں پھنس سکتا۔" وہ بولے۔

"ہم تو خیر جان بوجھ کر پھنسے تھے۔" فاروق نے تڑسے کہا۔

"اور میں انجانے میں پھنس گیا... انھوں نے میرے کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی تھی... کھانا میں نے اپنے کمرے میں منگایا تھا، بس وہیں سے انھوں نے مجھے قید میں ڈال دیا... مجھے معلوم نہیں تھا، ان کا منصوبہ کیا ہے... اس حال میں آ کر اندازہ ہوا تھا۔"

"خیر شکر کریں... آپ کو اندازہ ہو تو گیا تھا۔ اگر اندازہ نہ ہوتا تو بھی آپ کیا کر لیتے... کچھ کر لیتے آپ؟" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"نن... نہیں۔" وہ گھبرا کر بولے۔

اور سب لوگ مسکرانے لگے...

اشتیاق احمد
بازار لوہاراں
جھنگ صدر

حرفِ ناشر

الحمدللہ اٹلانٹس پبلکیشنز کے بینر تلے اشتیاق احمد صاحب کے ناولوں کی اشاعت کا سلسلہ کامیابی سے جاری ہے۔ اس ناول سمیت اب تک تین نئے اور دو شاہکار ناول شائع کئے جا چکے ہیں۔ ہم اپنے قارئین اور ڈیلرز کے ممنون ہیں کہ ناولوں کی فروخت اور اشاعت ان کے تعاون کی بدولت ہماری توقعات سے کہیں زیادہ رہی۔ نہ صرف ناولوں کو ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا بلکہ ٹائٹل اور گیٹ اپ کو بھی بے حد سراہا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم نے بھرپور اشتہاری مہم چلائی جو کہ ہنوز جاری ہے۔ اخبارات، بچوں کے رسالوں بلکہ ریڈیو کے ایف ایم چینلز کو بھی تشہیر کیلئے استعمال کیا گیا۔ اس سلسلے میں ہم بطور خاص روزنامہ اسلام کی انتظامیہ کے تعاون کیلئے شکر گزار ہیں۔ یہ بھی بتاتے چلیں کہ روزنامہ اسلام کے بیک پیج پر ہر اتوار کو اشتیاق احمد کے نئے ناولوں کا اشتہار شائع کیا جاتا رہے گا۔

آئندہ ماہ سے ارادہ ہے کہ بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کیلئے کچھ انعامی مقابلوں کا آغاز کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں آپ کی تجاویز ہمارے لئے قابلِ قدر ہوں گی۔ بچوں کے خطوط کی ناولوں کے آخری صفحات میں اشاعت بھی زیرِ غور ہے۔

ناولوں کی فراہمی کے حوالے سے ایک بات اور.... ہمارے شائع کردہ ناولوں کے متعلق آپ ضربِ مومن اور روزنامہ اسلام کے مقامی دفاتر سے بھی معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔